مسئلہ تقلید

تحفۃ المناظر

تحفۃ المناظر

مسئلہ تقلید

مدعی کی تعیین

مدعی کی تعریف میں گزرا "الذی یثبت أمراً زائداً فھو المدعی"۔ اس قاعدے کے تحت احناف مدعی ہیں، اس لئے کہ یہاں دو چیزیں ہیں: تقلید مطلق، تقلید شخصی، تقلید مطلق کا انکار سوائے علامہ شوکانی اور موجودہ زمانے میں مولانا طالب الرحمٰن کے کسی نے نہیں کیا اور قاعدہ ہے کہ نفی الأعم یستلزم نفی الأخص، اعم کی نفی اخص کی نفی کو مستلزم ہے، یعنی جب عام کی نفی کی جائے تو خاص کی نفی خود بخود ہو جائے گی۔ جب عام (تقلید مطلق) کا انکار کیا تو خاص (تقلید شخصی) کی نفی خود بخود ہو گئی، ان کے علاوہ باقی غیر مقلد تقلید مطلق کے قائل ہیں، مولانا نذیر حسین دہلوی نے ''معیار الحق'' میں تقلید مطلق کا انکار نہیں کیا، تقلید مطلق کے غیر مقلدین بھی قائل ہیں ہم اس پر ایک زائد قید (شخصی) لگاتے ہیں، لہٰذا احناف مثبت زیادۃ ہیں اور مثبت زیادۃ مدعی ہوتا ہے۔

اصول بحث

مناظرے میں پہلی اور آخری تقریر مدعی کی ہوتی ہے، پہلی تقریر میں دلائل وغیرہ بیان کرے گا، جب کہ آخری تقریر میں صرف ان دلائل کو گنوائے گا جن کا جواب فریق مخالف نے نہیں دیا۔ آخری تقریر میں کوئی نئی بات یا دلیل نہیں پیش کر سکتا۔

فریق مخالف جو نفی کر رہا ہے وہ جواب دعویٰ لکھے گا، جواب دعویٰ میں آپ اس بات کی تعیین کروائیں

گے کہ غیر مقلدین جو تقلید شخصی کی نفی کر رہے ہیں وہ نفی مدلول النص ہے یا عدم اصلی پر مبنی اور غیر مدلول النص ہے، اگر نفی مدلول النص ہو تو نافی کو بھی دلیل پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی اور اگر نفی غیر مدلول النص ہو تو اسے دلیل بیان کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اس کا کام صرف نقض تفصیلی وارد کرنا ہے۔

تقلید شخصی میں احناف کا دعویٰ

ہمارا دعوی یہ ہے کہ تقلید شخصی (شخص معین کی پیروی) مسائل غیر منصوص علیہا اور مسائل منصوصہ متعارض فیہا کے دفع تعارض میں واجب لغیرہ کے درجے میں ہے۔

تنقیح دعوی

مسائل

تقلید صرف مسائل میں ہوتی ہے، رہا مسئلہ عقائد کا تو اثبات عقائد میں تقلید نہیں، البتہ فہم العقائد من النصوص میں تقلید کی جاتی ہے۔

غیر منصوص علیہا

تقیلد ان مسائل میں ہوتی ہے جن کے بارے میں کوئی نص نہ ہو، جیسے: بھنگ، چرس، ہیروئین کا حرام ہونا، بیع تعاطی کا مسئلہ اور ایسے معاملات کا حکم جن کے متعلق قرآن وحدیث میں صراحتاً کوئی حکم مذکور نہیں۔ مسائل منصوصہ میں تقلید نہیں کی جاتی جیسے: تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع، سجدہ، صوم، حج، زکوۃ اور نکاح کے بہت سے ایسے مسائل جو منصوص علیہا غیر متعارض فیہا ہیں۔

منصوصہ متعارض فیہا

وہ مسائل منصوصہ جن میں تعارض نہیں ان میں تقلید نہیں، جیسا کہ گزر چکا، البتہ ایسے مسائل جو اگرچہ منصوص ہیں لیکن ان میں تعارض ہے ان میں امام کی تحقیق پر عمل کیا جائے گا۔ جیسا تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا مسئلہ، نص میں کانوں تک اور کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ ہے، کس نص کو لینا ہے؟ امام کی تحقیق پر عمل کیا جائے گا انہوں نے جس طرح تطبیق بین النصوص دی اسی پر عمل کریں گے۔

اسی طرح نماز میں تعوذ، تسمیہ کے بعد کون سی دعا پڑھیں گے، سبحانك اللّٰھم یا کوئی اور؟ نص میں

دونوں مذکور ہیں، ہاتھ کہاں باندھیں گے؟ سینے پر یا ناف کے نیچے؟ قرأۃ خلف الامام کی جائے گی یا نہیں؟ دلائل دونوں طرف ہیں۔ایسے مسائل منصوصہ متعارض فیہا میں ہم امام صاحب کے علم وتقویٰ، فہم وفراست اور خداداد صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی بیان کردہ تحقیق وتطبیق پر عمل کرتے ہیں۔

دفع تعارض

جہاں تک معلومات کا تعلق ہے تو غیر مطبوعہ ونادر نسخوں کی طباعت کی وجہ سے وہ باتیں جواب تک پردہ خفا میں تھیں ظاہر ہوگئیں اور احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے آگیا، اگر یہ کہا جائے کہ معلومات کی حد تک ہم بڑھے ہوئے ہیں تو بے جا نہ ہوگا لیکن یہ صرف معلومات ہیں، علم الگ چیز ہے، اسلاف کا تعلق ولگاؤ علم سے تھا اور ہمارا مطمح نظر معلومات ہیں، اور ان دونوں میں بہت فرق ہے، باوجود کثرت معلومات کے ہم دفع تعارض، تطبیق، ترجیح وغیرہ سے نابلد ہیں، اسی لئے دفع تعارض کے لئے ہم امام معین کی پیروی کرتے ہیں۔

واجب لغیرہ

شخص معین کو لازم پکڑنا اور اس کی ہی ساری تحقیق کو مان لینا حکم نص نہیں، البتہ دین کو کھلونا نہ بنانا اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرنا بلاشبہ حکم نص ہے۔ اور یہ حکم عادتاً اسی صورت میں متحقق ہوسکتا ہے کہ جب شخص واحد کی تحقیق کو مانا جائے اور اس پر اعتماد کیا جائے، اسی لئے ہم تقلید شخصی کو واجب لغیرہ کے درجے میں قرار دیتے ہیں۔

بالفاظ دیگر خواہشات کی پیروی حرام ہے، اور حرام کی ضد واجب ہے، یعنی خواہشات کی پیروی نہ کرنا واجب ہے اور یہ واجب عادتاً وتجربتاً شخص معین کی پیروی پر موقوف ہے تو بقاعدہ "مالا یتوصل إلی الواجب إلا بہ فھو واجب" جو چیز ادائیگی واجب میں مدومعاون ہو، اس کے بغیر واجب ادا نہ ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔ہم تقلید شخصی کو واجب قرار دیتے ہیں اور چونکہ اس میں نص صریح موجود نہیں، لہٰذا اس کا بھی لحاظ کرتے ہوئے اسے بعینہ وجوب کا درجہ نہیں دیا بلکہ واجب لغیرہ کہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ غیر مرتفع ہوجائے تو اس کی ضرورت نہیں۔

خیر القرون میں دینداری غالب تھی اور خواہشات نفسانی کا غلبہ نہ تھا، اس لئے وہاں اجازت تھی کہ کسی بھی مسلک ومشرب کی طرف رجوع کرسکتے تھے۔ بالفرض اگر اب بھی ایسا دور آجائے تو پھر غیر (خواہشات

نفسانی وغیرہ) کے مرتفع ہونے کی وجہ سے یہ وجوب بھی مرتفع ہوجائے گا۔

غیر مقلدین کا جواب دعویٰ

جیسا کہ پہلے مناظرہ کی تعریف گزری: "توجه المتخاصمين في النسبة بين الشيئين". ہمارا دعویٰ تقلید کے متعلق "واجب لغیرہ" کا ہے اور واجب کی ضد مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔

اگر غیر مقلدین "مکروہ تحریمی یا حرام" لکھ دیں تب مناظرہ ہوگا، اگر وہ لکھ دیں کہ حرام یا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے لئے دلیل میں "نہی" پیش کریں تو جس طرح نہی سے حرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح نہی سے کراہت تحریمی کا ثبوت بھی ہوتا ہے اور یہ کام فقیہ کا ہے، فقیہ کو یہ لوگ مانتے ہی نہیں، اگر کہیں کہ مانتے ہیں تو اسی کا نام تقلید ہے۔

اگر غیر مقلدین تقلید کا حکم شرعی متعین نہ کریں صرف یہ کہیں کہ "تقلید ثابت ہی نہیں" تو آپ کہیں کہ ہم اپنے دعویٰ سے "واجب لغیرہ" مٹاتے ہیں اور "تقلید ثابت ہے" کے الفاظ لکھتے ہیں۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہوں تو مناظرہ نہیں ہوگا، یا تو ہماری طرح حکم شرعی متعین کریں یا پھر ہم "ثابت ہے" لکھیں گے۔

ہر ایک اپنے اصولوں کا پابند ہے

پہلے بھی یہ بات گزری کہ ہر فریق اپنے اپنے اصولوں کا پابند ہوگا اور دوسرے کو اس کا پابند نہیں کرے گا، اگر پرویزی کہے کہ میں صرف قرآن پاک کو مانتا ہوں، صرف قرآن سے تعداد رکعات ثابت کرو تو اس سے کہا جائے گا کہ صرف قرآن کو ماننا آپ کا اصول ہے ہم اس کے پابند نہیں، ہم حدیث کو بھی حجت مانتے ہیں، لہٰذا ہم حدیث سے تعداد رکعات کو ثابت کریں گے۔ اگر وہ کہے کہ حدیث حجت نہیں تو پھر اس سے کہا جائے گا تعداد رکعات کے مسئلے کو چھوڑو پہلے حجیت حدیث پر بحث کرتے ہیں۔

اسی طرح غیر مقلدین کو کہا جائے گا کہ اہل حدیث کے دو اصول "أطيعوا الله وأطيعوا الرسول" آپ صرف ان دو کو مانتے ہیں، آپ ہی ان کے پابند ہیں جب کہ ہم ان کے ساتھ اجماع اور قیاس کو بھی حجت سمجھتے ہیں ہم اجماع اور قیاس سے بھی دلیل پیش کریں گے، آپ ہمیں اپنے اصولوں کا پابند نہیں بنا سکتے۔ اگر وہ کہیں کہ اجماع وقیاس حجت نہیں تو ان سے کہا جائے گا کہ مسئلہ تقلید وغیرہ بعد میں ہوگا پہلے حجیت اجماع وقیاس پر

بحث کرتے ہیں۔

مناظرے سے قبل تعیین جہت ضروری ہے

تقلید پر مناظرہ کے لئے تعیین کروانا ضروری ہے کہ مناظرہ تقلید شخصی پر ہے یا تقلید مطلق پر، آپ جو دلیل تقلید شخصی پر پیش کریں گے وہ تقلید مطلق پر خود بخود صادق آئے گی کیونکہ تقلید شخصی خاص اور تقلید مطلق عام ہے اور وجود الأخص يستلزم وجود الأعم برخلاف اس کے برعکس اگر کوئی تقلید شخصی کا انکار کرتا ہے تو اس سے تقلید مطلق کی نفی نہیں ہوتی "لأن نفی الأخص لايستلزم نفی الأعم".

فائدہ

تقلید مطلق اور چیز ہے مطلق تقلید اور، اسی طرح مطلق اور عام میں بھی فرق ہے۔

تقلید کی لغوی تعریف

اس کا ماخذ اشتقاق "قلادة" ہے، قلادۃ پٹے اور ہار کو کہتے ہیں، اگر جانور کے گلے میں ہو تو پٹہ، انسان کے گلے میں ہو تو ہار۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہار پر قلادے کا اطلاق کیا گیا۔ "والقلادة ما جُعِل في العنق يكون للإنسان والفرس والكلب التي تهدى ونحوها"(۱).

قلّده القضاء فلاں نے فلاں کو قاضی بنادیا۔ قلّد فلان فلاناً في كذا، فلاں نے فلاں کی کسی بات میں اتباع کی۔

اصطلاحی تعریف

۱- "التقليد اتباع الإنسان غيره في ما يقول أو يفعل معتقداً للحقيّة من غير نظر إلى الدليل، كأنّ هذا المتبع جعل قولَ الغيرِ قلادةً في عنقه من غير مطالبة دليل"(۲).

"کسی کو حق پر سمجھتے ہوئے دلیل میں غور کئے بغیر قول یا فعل میں اس کی اتباع کرنا گویا کہ یہ اتباع کرنے والا غیر کے قول کو ہار سمجھ کر اپنے گلے میں ڈالتا ہے اور دلیل کا مطالبہ

(۱) (لسان العرب: ۳/۳٦٦، دار صادر).

(۲) (كشاف اصطلاحات الفنون: ۱۱۷۸، بحواله الكلام المفيد: ۳۱، مكتبة صفدرية).

نہیں کرتا''۔

٢- "وهو عبارة عن اتباعه في قوله أو فعله معتقداً للحقيّة من غير تأملٍ في الدليل"(١).

''دلیل میں غور وفکر کیے بغیر کسی کو حق پر سمجھتے ہوئے قول یا فعل میں اس کی پیروی کرنا''۔

٣- التقليد اتباع الغير على ظن أنه محق بلا نظر في الدليل"(٢).

''دلیل میں غور وخوص کیے بغیر کسی کی اتباع کرنا یہ گمان رکھتے ہوئے کہ وہ حق پر ہے''۔

٤- "قبول قول الغير بلا حجةٍ ولا دليل"(٣).

''دلیل کی معرفت حاصل کیے بغیر کسی کے قول پر عمل پیرا ہونا''۔

٥- "قبول قول المرء في الدين بغير دليل"(٤).

تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے

تقلید کی تعریف میں لفظ ''اتباع'' موجود ہے، ہمارا دعوی یہ ہے کہ تقلید اور اتباع ایک چیز ہے، غیر مقلدین اس کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ تقلید الگ چیز ہے اور اتباع الگ ہے، تقلید مذموم جب کہ اتباع محمود ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ معرَّف اور معرِّف دونوں ایک ہی ہوتے ہیں اور تقلید کی تعریف میں اہل لغت نے لفظ ''اتباع'' کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ تعریفات سے ظاہر ہے، اگر ان دونوں میں فرق ہوتا تو اہل لغت تقلید کی تعریف اتباع سے نہ کرتے۔ "لأن التعريف بالمتغاير لا يجوز".

کسی چیز کی تعریف ایسے الفاظ سے کرنا درست نہیں کہ اس چیز اور ان الفاظ کا آپس میں ربط وجوڑ

---

(١) (شرح المنار: ٢٥٢، بحواله الكلام المفيد: ٣١، مكتبة صفدرية).

(٢) (النامي شرح الحسامي: ١٩٠، قديمي).

(٣) (التعريفات: ٤٧، دار المنار).

(٤) (قواطع الأدلة: ٢/ ٣٤٠، دار الكتب العلمية).

ہی نہ ہو۔

قرآن کریم میں جہاں لفظ اتباع ہے مفسرین نے وہیں تقلید کی بحث کو چھیڑا ہے، حالانکہ وہاں لفظ تقلید موجود نہیں، معلوم ہوا کہ مفسرین بھی تقلید اور اتباع میں فرق نہیں کرتے، اگر فرق ہوتا تو تقلید کی بحث کسی اور جگہ بھی ذکر کر سکتے تھے۔

اتباع بھی بلا دلیل ہوتا ہے

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تقلید وہ ہے جو بلا دلیل ہو اور اتباع مع الدلیل ہوتا ہے، اس لئے دونوں متغایر ہیں، لیکن یہ بات درست نہیں، ﴿ومن يتبع خطوت الشيطن فإنه يأمر بالفحشاء والمنكر﴾ [النور: ۲۱]

> ''جو شخص شیطان کی پیروی کرتا ہے تو اچھی طرح جان لے کہ شیطان بے حیائی اور نامعقول کام ہی کرنے کا حکم دیتا ہے''۔
>
> ﴿بل نتبع ماألفينا عليه أبائنا﴾ [البقرة: ۱۷۰].
>
> ''ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے''۔

اور اس طرح کی دیگر آیات میں لفظ اتباع موجود ہے لیکن غیر مقلدین بھی اس کے قائل نہیں کہ یہاں اتباع مع الدلیل ہے۔

معرّف ومعرَّف حد ومحدود میں تساوی ضروری ہے

نیز مسلم قاعدہ ہے کہ معرّف اور معرَّف دونوں میں اتحاد ہوتا ہے جیسے:''الإنسان ماهو؟ حيوان ناطق'' الفاظ کا فرق ہے مفہوم ومراد ایک ہی ہے، حیوان ناطق انسان ہے، انسان حیوان ناطق ہے، معرّف اور معرَّف میں فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہوتا ہے، معرَّف مجمل جب کہ معرّف مفصَّل ہے۔

متاخرین کا مذہب ہے کہ حد اور محدود میں تساوی ضروری ہے اور تعریف الشئی بمغایرہ جائز نہیں اور اہل لغت نے تسلیم کیا ہے کہ تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے، لو كان الاتباع مغايراً للتقليد لما أورده اللغويون

فی تعریف التقلید لکن التالی باطل ، فالمقدم مثله فی البطلان.

تقلید عین اتباع ہے

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اتباع تقلید کی تعریف نہیں بلکہ اس کا اثر مرتب اور حکم ہے، یعنی الأثر الذی یترتب علی التقلید. یہ بات بھی درست نہیں، اس لئے کہ تقلید کے بارے میں کہا گیا: التقلید أی: الاتباع اور لفظ ''أی'' کے متعلق ضابطہ نحو یہ ہے کہ أی کا ماقبل معطوف علیہ اور مابعد عطف بیان ہوتا ہے، معطوف علیہ اور عطف بیان دونوں کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے، جیسا کہ أقسم باللہ أبو حفص عمر. ابوحفص اور عمر ایک ہی ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اتباع تقلید کا اثر مرتب یا اثر لازم ہے درست نہیں، مزید برآں متاخرین تعریف باللازم کو جائز قرار نہیں دیتے، لہٰذا معلوم ہوا کہ تقلید عین اتباع ہے۔

تقلید علی الاطلاق مذموم نہیں

تقلید اور اتباع کے متعلق یہ کہنا کہ تقلید مذموم اور اتباع محمود ہے، علی الاطلاق درست نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ مصادر لا بشرط شیٔ کے درجے میں ہوتے ہیں، جب ان کے فاعل اور مفعول کو متعین کریں گے تو معنی بھی متعین ہو جائے گا۔ ایمان مصدر ہے اگر اس کا فاعل مومن اور مفعول مامورات میں سے ہو تو ایمان محمود ہوگا، جیسے ﴿یؤمنون بالغیب﴾ [البقرة:٣] . ﴿امن الرسول بما أنزل إلیه من ربه والمؤمنون﴾ .[البقرة: ٢٨٥]. لیکن اگر ایمان کا فاعل کافر اور مفعول منہیات میں سے ہو تو یہ ایمان مذموم ہوگا جیسے: ﴿یؤمنون بالجبت والطاغوت﴾ [النساء: ٥١]. یہی حال اتباع کا ہے، اگر فاعل اہل اللہ اور مفعول دین ہے تو یہ اتباع فی الدین اور محمود ہے۔ ﴿والذین اتبعوهم بإحسان﴾ [التوبة: ١٠٠] . ﴿إن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی﴾ [آل عمران: ٣١]. اگر فاعل و مفعول اس قسم کے نہیں تو یہ اتباع مذموم ہے، ﴿ومن یتبع خطوٰت الشیطن﴾ [النور: ٢١]. ﴿بل نتبع ماألفینا علیه اٰبائنا﴾، [البقرة: ١٧٠]. تقلید بھی اسی طرح ہے، فاعل و مفعول کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ تقلید فی الدین ہے یا فی الدین نہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والذی علیه جماهیر الأمة أن الاجتهاد جائز فی الجملة، والتقلید جائز فی الجملة،

لا يوجبون الاجتهاد على كل أحد ويحرمون التقليد، ولا يوجبون التقليد على كل أحد ويحرمون الاجتهاد، وأن الاجتهاد جائز للقادر على الاجتهاد، والتقليد جائز للعاجز عن الاجتهاد"(۱).

''جمہور امت کا مذہب یہ ہے فی الجملہ اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی، ایسا نہیں کہ ہر ایک پر اجتہاد واجب اور تقلید حرام ہو اور نہ ہی ہر ایک پر تقلید واجب اور اجتہاد حرام ہے بلکہ جو اجتہاد پر قدرت رکھتا ہے اس کے لئے اجتہاد کرنا جائز ہے اور اجتہاد سے عاجز ہو اس کے لئے تقلید کرنا جائز ہے''۔

اگر تقلید علی الاطلاق مذموم ہوتی تو علامہ ابن تیمیۃ رحمہ اللہ جنہیں غیر مقلدین اپنا پیشوا مانتے ہیں، تقلید کو جائز نہ کہتے۔ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عاجز عن الاجتہاد کے لئے تقلید جائز ہے۔ اجتہاد چونکہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں، اس کے لئے علوم وفنون میں پختگی ومہارت کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی صفت سے متصف ہونا بھی ضروری ہے۔ غیر مقلدین تو درجہ اجتہاد سے کوسوں دور ہیں لیکن پھر بھی تقلید کو حرام وشرک قرار دیتے ہیں، یہ انصاف کے مراحل سے بعید ہے۔

اجتہاد وتقلید پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولا يخلو أمر الداعي من أمرين: الأول أن يكون مجتهداً أو مقلداً، فالمجتهد ينظر في تصانيف المتقدمين من القرون الثلاثة ثم يرجح ماينبغي ترجيحه، الثاني: المقلد يقلد السلف؛ إذ القرون المتقدمة أفضل مما بعدها"(۲).

''دین کا داعی دو حال سے خالی نہیں، مجتہد ہوگا یا مقلد، مجتہد قرون ثلاثہ کے متقدمین کی تصانیف سے مستفید ہو کر راجح قول کو ترجیح دیتا ہے اور مقلد سلف کی تقلید کرتا ہے، کیونکہ ابتدائی صدیاں بعد والوں سے افضل ہیں''۔

یہاں بھی دو قسمیں ہی بیان کیں مجتہد اور مقلد، سلف کی تحقیقات میں غور وخوص کے بعد کسی قول کو ترجیح دینا مجتہد کو ہی زیب دیتا ہے، اگر غیر مقلدین اپنے کو مجتہد شمار کریں تب تو انہیں تقلید سے چھٹکارہ مل سکتا ہے وگرنہ

(۱) (مجموعة الفتاوى: ۲۰/۱۱۳، مكتبة العبيكان).

(۲) (مجموعة الفتاوى: ۲۰/۹، مكتبة العبيكان).

تقلید متعین ہے اور تقلید میں بھی علامہ ابن تیمیہ سلف کی تقلید کو ترجیح دیتے ہیں، جب کہ غیر مقلدین عام لوگوں کو ورغلا کر سلف کی تقلید سے بیزار اور اپنی تقلید کی دعوت دیتے ہیں، جو ہرگز درست نہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

"وإذا كان الرجل متبعاً لأبي حنيفة أو مالك أو الشافعي أو أحمد ورأى في بعض المسائل أن مذهب غيره أقوى فاتبعه كان قد أحسن في ذلك، ولم يقدح ذلك في دينه ولاعدالته بلا نزاع"(۱).

''اگر کوئی آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد ہو اور اسے یقین ہو جائے کہ فلاں فلاں مسئلے میں دوسرا مذہب قوی ہے، وہ اس مسئلے میں دوسرے کی تقلید کرے تو یہ اچھا اور قابل تعریف عمل ہے، ایسا کرنے سے بلاشک وشبہ اس کے دین وعدالت پر زد نہیں پڑے گی''۔

الحمدللہ حنیفہ اسی اصول پر کاربند ہیں، علامہ ابن تیمیہ خود فرماتے ہیں:

"وهذا أبو يوسف ومحمد أتبع الناس لأبي حنيفة وأعلمهم بقوله، وهما قد خالفاه في مسائل لاتكاد تُحصىٰ لما تبيَّن لهما من السُنّة والحُجّةِ ماوجب عليهما اتباعه"(۲).

''امام ابو یوسف ومحمد امام ابوحنیفہ کے پکے مقلد اور ان کے قول کو زیادہ بہتر انداز میں جاننے والے ہیں لیکن اس کے باوجود لاتعداد مسائل میں انہوں نے احادیث ودلائل کے وزن کو دیکھ کر امام صاحب سے اختلاف کیا''۔

فقہ حنفی کے مفتی بہا اقوال کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ احناف علامہ ابن تیمیہ کی اس بات کے مصداق ہیں:

"كان الأكابر من أتباع الأئمة الأربعة لايزالون إذا ظهر لهم دلالة الكتاب أو السنة على مايخالف قول متبوعهم اتبعوا ذلك"(۳).

''آئمہ اربعہ کے اکابر متبعین کا حال یہ ہے کہ اگر قرآن وحدیث قول امام کے

(۱) (مجموعة الفتاوىٰ: ۲۲/۱۵۰، مكتبة العبيكان).

(۲) (مجموعة الفتاوىٰ: ۲۲/۱۵۳، مكتبة العبيكان).

(۳) (مجموعة الفتاوىٰ: ۲/۱۰، مكتبة العبيكان).

خلاف ہوتو قول امام چھوڑ کر قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں''۔

یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کے لاتعداد مسائل میں فتویٰ امام ابو یوسف یا امام محمد کے قول پر ہے بلکہ کئی مسائل میں امام زفر کے اقوال پر فتویٰ ہے، صرف یہی نہیں بلکہ مذہب غیر امام مالک کے قول پر بھی فتویٰ ہے۔

اس کے علاوہ فقہاء احناف میں ایک بڑی جماعت ان حضرات کی ہے جنہیں اصحاب الترجیح کہا جاتا ہے جو مختلف اقوال میں غور وفکر کے بعد راجح قول کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اس کے باوجود احناف کو موردالزام ٹھہرانا اور اتباع باطل کی آیات مقلدین پر چسپاں کرنا سوائے اپنی عاقبت تباہ کرنے کے کچھ نہیں۔

من غیر نظر إلی الدلیل کا مطلب

من غیر نظر إلی الدلیل، من غیر تأمل في الدلیل، بلا نظر في الدلیل، غیر مقلدین کہتے ہیں تقلید کی تعریف میں ہے کہ مقلد دلیل کا مطالبہ نہ کرے، بغیر دلیل کے تقلید کرے، حالانکہ مجتہد معصوم نہیں کہ اس کی تقلید بغیر دلیل کے کی جائے، تقلید کی تعریف ہی درست نہیں جس طرح کہ خود تقلید کرنا درست نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مقلد کے لئے عمل کی حد تک دلیل کی معرفت ضروری نہیں کہ اگر دلیل کا علم ہوا تو عمل کرے گا ورنہ نہیں، بلکہ دلیل ہے لیکن مقلد کے لئے اس کی معرفت ضروری نہیں، تقلید کی تعریف خود دلیل کے موجود ہونے پر دلالت کررہی ہے، من غیر نظرٍ، من غیر تأملٍ، بلا نظرٍ في الدلیل، دلیل موجود ہے تبھی تو من غیر نظر إلیہ ہے، ورنہ تو اتباع الإنسان غیرہ في مایقول أو یفعل معتقداً للحقیة بلا دلیلٍ ہونا چاہیے تھا، من غیر نظر إلی الدلیل کی وضاحت خود تعریف میں موجود ہے أي: من غیر مطالبة دلیل ہے لیکن تقلید اس کے مطالبے پر موقوف نہیں، اگر دلیل کا علم ہوتو سونے پر سہاگہ، ورنہ دلیل کی معرفت اور دلیل کو متعین کرنا یہ مجتہد کا کام ہے اور ہم ہر ایک کو مجتہد تسلیم نہیں کرتے۔ ہم صرف انہیں مجتہد تسلیم کرتے ہیں جن کے اجتہاد پر اجماع ہو۔

محقق کی تعریف

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہم ہر مسئلے کا علم اس کی دلیل کے ساتھ حاصل کرتے ہیں ہم مقلد نہیں، یعنی جو

بھی مسئلہ ہو اولاً اس کی دلیل دیکھتے ہیں پھر اس پر عمل کرتے ہیں، اگر مقلد نہیں تو پھر؟ مجتہد کہتے ہوئے تو ان کو بھی جھجک محسوس ہوتی ہے، البتہ اپنے کو محقق کہتے ہیں کہ ہم تحقیق کرتے ہیں، حالانکہ محقق وہ ہوتا ہے جو خود دلیل سے استنباط کرے، کسی اور کی دلیل کو نقل کرنا تحقیق نہیں بلکہ نقل تحقیق ہے اور نقل تحقیق تقلید ہے کہ دوسرے کی بات نقل کر کے مان لی۔ تحقیق اور نقل تحقیق میں فرق ہے، التحقيق هو إثبات المسئلة بالدليل، تدقیق اس سے بھی مشکل ہے، استنباط شدہ دلیل کو کسی اور دلیل سے مؤید کرنا إثبات الدليل بالدليل اور اجتہاد کی بات ہی اور ہے۔

صحابہ کرام بھی مقلد تھے

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تقلید اور اتباع ایک ہی چیز ہے تو ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین متبع بھی تھے اور مقلد بھی۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فإن عَلِمَ أن مقلَّده مصيب – كتقليد الرسول أو أهل الإجماع – فقد قلده بحجة"(۱).

''اگر مقلد کو یقین ہو کہ وہ جس کی تقلید کر رہا ہے وہ خود راہ راست پر ہے تو یہ تقلید درست ہے کہ تقلید مع الدلیل ہے جیسے صحابہ کرام کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقلید کرنا اور عام مؤمنین کا اہل اجماع کی تقلید کرنا''۔

كتقليد الرسول اضافت المصدر إلى الفاعل یعنی تقليد الرسول الصحابة کا قائل تو کوئی بھی نہیں لامحالہ اضافة المصدر إلى المفعول مانیں گے اور فاعل محذوف ہوگا کہ "كتقليد الصحابة الرسول" صحابہ مقلِّد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقلَّد ہوئے۔

علامہ ابن تیمیہ کی عبارت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اہل اجماع کی تقلید درست ہے کیونکہ وہ تقلید بحجۃ ہے، اور ائمہ اربعہ کے اہل اجماع ہونے میں شک نہیں، لہٰذا ائمہ اربعہ کی تقلید درست ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقلید علی الاطلاق مذموم نہیں بلکہ تقلید محمود بھی ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فاعلم أن الصحابة لايقلدون إلا صاحب الشرع" واضح رہے کہ صحابہ کرام صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقلید کرتے تھے۔ صراحتاً صحابہ کو مقلد قرار دیا۔ اگر تقلید

(۱) (مجموعة الفتاوى: ۲۰/۱٤، مكتبة العبيكان).

اور اتباع میں فرق ہے تو پھر آپ ان عبارتوں کے متعلق کیا کہیں گے۔ صحابہ تو مقلد تھے ہی لیکن اگر اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مقلد تھے تو اس کی بھی گنجائش ہے، نبی پر اپنی ذات کی اتباع لازم ہے، جس طرح دوسروں کے لئے لازم ہے کہ نبی کی بیان کردہ باتوں کی تصدیق کریں اسی طرح نبی بھی اس بات کا مامور ہے کہ اپنی بیان کردہ باتوں کو حق اور سچ جانے، تو نبی اپنی ذات کا متبع اور مقلد ہوا۔

اگر تقلید شرک ہے کما ھو زعم غیر المقلدین تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تقلید کے بارے میں کیا کہیں گے؟ اسی طرح علامہ ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کے متعلق کیا لب کشائی کریں گے جنہوں نے صحابہ کو مقلد قرار دیا۔

دلائل

﴿یاأیها الذین اٰمنوا أطیعوا اللّٰه وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم﴾ [النساء: ۵۹].

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اطاعت کرو ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں''۔

اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا، پہلے دو میں لفظ "أطیعوا" کو ذکر کیا آخری میں نہیں، بعض حضرات نے اس کی یہ تاویل کی کہ یہ اشارہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت، اطاعت حقیقی اور مستقل نہیں، اگر پہلے دو کے موافق ہو تو ٹھیک ورنہ درست نہیں۔

شارع حقیقی صرف اللہ ہے

صحیح بات یہ ہے کہ اطاعۃ اللہ حقیقی اور اطاعۃ الرسول واطاعۃ اولی الامر دونوں مجازی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے، ﴿شرع لکم من الدین ماوصی به نوحاً﴾ [الشوریٰ: ۱۳].

''اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شارع مجازی ہیں(۱)۔

(۱) (القواعد فی علوم الفقه، الاحتجاج علی بطلان التقلید بأقوال الأئمة ثم الجواب عنه: ۲۴، إدارة القرآن).

اوراولوالامر کو یہ درجہ بھی حاصل نہیں اس لئے وہاں لفظ "أطیعوا" مذکور نہیں، اسی لئے ہم نے اطاعۃ اولی الامر کوواجب لغیرہ کہا، واجب لعینہ نہیں کہا۔

اطاعت، اتباع اور تقلید کی وضاحت

اطاعۃ فی القول بھی ہوتی ہے اور فی الفعل بھی، جب کہ اتباع کی اصل وضع اتباع فی الافعال ہے اور ماقبل میں گزر چکا ہے کہ اتباع اور تقلید ایک ہی چیز ہے، یعنی الإطاعة مشتملة على الاتباع، والاتباع هو التقليد، فالإطاعة مشتملة على التقليد.

"أطيعوا الله" میں اطاعت کی ایک نوع پائی جارہی ہے اطاعۃ فی القول اور اطیعوا الرسول میں اطاعۃ کی دونوں انواع: اطاعۃ فی القول اور اطاعۃ فی الفعل موجود ہیں، اسی طرح اولی الامر کی اطاعۃ بھی دونوں انواع قول وفعل کو شامل ہے۔ فالمعنى أطيعوا الله في أقواله، وأطيعوا الرسول في أقواله وأفعاله، وأطيعوا أولي الأمر منكم في أقوالهم وأفعالهم. اطاعت فی الفعل اتباع ہے اور اتباع عین تقلید ہے، لأن ثبوت أحد المتساويين يستلزم ثبوت الآخر، فالمعنى أطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم: أي قلدوا الرسول وأولي الأمر منكم.

اولی الامر فقہاء ہیں

اولی الامر سے فقہاء مراد ہیں، "مستدرک حاکم" میں ہے:

" قال جابر بن عبدالله: ﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم﴾، قال: أولي الفقه والخير .... وتفسير الصحابي عندهما مسند .... قال ابن عباس: يعني أهل الفقه والدين.......... فأوجب الله طاعتهم"(۱).

''حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے ارشاد ﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم﴾ میں ''اولی الأمر'' سے مراد فقہاء ہیں.......... حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ''اولی الامر'' سے مراد علماء وفقہاء ہیں، اللہ

(۱) (مستدرك حاكم، كتاب العلم: ۱/۱۳۳، دارالفكر بيروت).

نے ان کی اطاعت واجب کی ہے۔

قال عطاء بن أبی رباح رحمه الله تعالیٰ: أولو الأمر أولو العلم والفقه"(۱).

''عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ''اولی الأمر''سے مراد علماء وفقہاء ہیں''۔

قال أبوبكر الجصاص رحمه الله تعالیٰ: "اختلف فی تأويل أولی الأمر، فروی عن جابر بن عبدالله وابن عباس رضوان الله عليهم اجمعين رواية، والحسن وعطاء ومجاهد رحمة الله عليهم: أنهم أولو الفقه والعلم؛ وعن ابن عباس رضی الله عنهما روايةً، وعن أبی هريرة: أنهم أمراء السرايا، ويجوز أن يكونو اجمعياً مرادين بالآية؛ لأن الاسم يتنا ولهم جميعاً؛ لأن أمراء السرايا يَلُوْن أمر تدبير الجيوش والسرايا لقتال العدو، والعلماء يلون حفظ الشريعة ومايجوز ممالا يجوز"(۲).

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:''اولی الأمر'' سے کون مراد ہیں؟

اس میں اختلاف ہے، حضرت جابر بن عبداللہ اور ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین، حسن، عطاء، مجاہد رحمۃ اللہ علیہم، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد علماء وفقہاء ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ''اولی الامر'' سے مراد لشکروں کے امراء ہیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ علماء وفقہاء اور لشکروں کے امراء دونوں مراد ہوں کیونکہ یہ لفظ دونوں کو شامل ہے، اس طرح کہ لشکر کے امراء لڑائی وغیرہ میں لشکر کی کمان سنبھالتے ہیں اور علماء رازداران ومحافظ شریعت ہیں، جائز وناجائز امور کی نشاندہی کرتے ہیں''۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إن اعمال الأمراء والسلاطين موقوفة على فتاوىٰ العلماء، والعلماء فی الحقيقة أمراء الأمراء، فكان لفظ أولی الأمر عليهم أولی"(۳).

---

(۱) (سنن الدارمی، باب الاقتداء بالعلماء: ۱/۸۳، قديمی).

(۲) (أحكام القرآن للجصاص، باب فی طاعة أولی الأمر: ۲/۲۱۰، دار الكتاب العربی بيروت).

(۳) (تفسير كبير: ۱۰/۱٤٦، بحواله الكلام المفيد: ٦۰، مكتبة صفدرية).

''امراء وسلاطین کے امور علماء کے فتاوی پر موقوف ہوتے ہیں، گویا کہ علماء امراء کے امراء اور بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، لہذا علماء ہی صحیح معنوں میں ''اولی الامر'' کا مصداق ہیں''۔

صحابہ کی تفسیر حجت ہے

صحابہ کرام کے اقوال سے ثابت ہوا کہ اولی الامر سے فقہاء مراد ہیں اور صحابہ کی تفسیر کا حجت ہونا محدثین کے ہاں مسلم ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "تفسير الصحابي مرفوع .... إن تفسير الصحابة مسند"(۱).

صحابہ کا درجہ حدیث مرفوع وحدیث مسند کا ہے۔

- حاکم فرماتے ہیں:

"تفيسر الصحابي حجة"(۲).

صحابہ کی تفسیر حجت ہے۔

نواب صدیق حسن فرماتے ہیں:

"وهكذا حكم أقوالهم في التفسير، فإنها أصوب من أقوال من بعدهم"(۳).

اولی الامر سے امراء السرایا مراد لینا تفسیر الکلی بالجزئی ہے

بعض حضرات نے اولی الامر کی تفسیر امراء سے کی تو یہ اولی الامر کی تفسیر کلی نہیں بلکہ تفسیر الکلی بالجزئی کے قبیل سے ہے، بسا اوقات کلی کی تفسیر جزئی سے کی جاتی ہے جیسے ﴿غير المغضوب عليهم﴾ سے یہود اور ﴿ولا الضالين﴾ سے نصاری مراد لئے جائیں، یہ تفسیر کلی نہیں بلکہ کلی کی ایک جزئی کو متعین کیا گیا ہے، اسی طرح جن حضرات نے اولی الامر سے امراء السرایا مراد لئے انہوں نے بھی ایک جزئی کی تعیین کی ہے۔

(۱) (تدريب الراوي، النوع السابع الموقوف: ۱۵٦، ۱۵۸، قديمي).

(۲) (معرفة علوم الحديث: ۲۰، زادالمعاد: ٤/٥٣، بحواله الكلام المفيد: ٥٣، مكتبة صفدرية).

(۳) (الجنة: ٩٦ بحواله الكلام المفيد: ٥٤، مكتبة صفدرية).

امام رازی نے اس کی خوب وضاحت فرمائی کہ امراء وسلاطین علماء کے تابع ہیں، درحقیقت علماء بھی اولی الامر ہیں۔

نیز اگر أولی الامر سے بادشاہ مراد ہوں تو ان کی اطاعت کس بناء پر کی جائے گی؟ کیونکہ أطیعوا اللہ لألوهيته، وأطيعوا الرسول لرسالته. اگر امیر ہونے کی وجہ سے بادشاہ کی اطاعت کی جائے کہ أطيعوا أولى الأمر لإمارته تو یہ علی الاطلاق درست نہیں، بلکہ اگر وہ شریعت کے مخالف حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ ''لاطاعة لمخلوق في معصية الله عزوجل"(۱).

''اللہ رب العزت کی معصیت ونافرمانی کے سلسلے میں کسی کی اطاعت جائز نہیں''۔

اگر وہ شریعت کے موافق حکم کرتا ہے تو بے شک اس کی اطاعت کی جائے گی، جب بادشاہ شریعت کا علم رکھتا ہے اور اس کے موافق حکم کرتا ہے وہ قابل اطاعت ہے، تو مجتہد اس سے زیادہ شریعت کا عالم ہے، لہٰذا اس کی اطاعت بدرجہ اولیٰ ہوگی، جیسا کہ امام رازی نے فرمایا۔

اولی الامر کی اطاعت واجب لغیرہ کیوں؟

اشکال ہوسکتا ہے کہ اولی الامر میں بھی عامل "أطیعوا" ہے تو جس طرح آپ اطاعۃ اللہ اور اطاعۃ الرسول کو واجب لعینہ مانتے ہیں اسی طرح اطاعۃ اولی الامر کو واجب لعینہ کیوں نہیں مانتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فاعل اور مفعول کی مناسبت سے فرق واقع ہوتا ہے:

"إسناد فعل إلى فاعل يغاير إسناده إلى فاعلٍ آخر، وكذا إسناده إلى مفعول يغاير إسناده إلى مفعول آخر. ﴿آمن الرسول بما أنزل إليه من ربه والمؤمنون﴾. [البقرة: ۲۸۵]. إسناد الإيمان إلى الرسل يغاير إسناده إلى المؤمنين، فإيمان الرسل يغاير إيمان المؤمنين.

اسی طرح قاعدہ ہے المعطوف يغاير المعطوف عليه مثلاً ''عليكم بسُنّتي وسنة الخلفاء الراشدين". مطعوف علیہ اور معطوف میں فرق ہوگا، یعنی کیفیت کے اعتبار سے جو درجہ سنت نبوی کا ہوگا سنت صحابہ کا وہ درجہ نہیں ہوگا، جتنی شدت سنت نبوی میں ہوگی اتنی شدت سنت الخلفاء میں نہیں ہوگی۔

(۱) (مسند أحمد: ۲۱۲/۱، دار إحياء التراث العربي).

نیز ضابطہ نحو یہ ہے ربما یجوز فی المعطوف مالایجوز فی المعطوف علیہ. اگرچہ معطوف و معطوف علیہ کا حکم ایک ہے لیکن بسااوقات معطوف میں ایک چیز جائز ہوتی ہے معطوف علیہ میں جائز نہیں ہوتی، جیسے "رب شاۃٍ وسخلتھا" یہاں اگر سخلتھا کو شاۃٍ کی جگہ لایا جائے تو جائز نہیں کیونکہ "رُبَّ" کا مدخول ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے، اسی طرح اگرچہ اولی الامر معطوف ہے لیکن بعینہ اس کا وہ حکم نہیں ہوگا جو معطوف علیہ کا ہے، معطوف علیہ میں اطاعت واجب لعینہ اور معطوف میں اطاعت واجب لغیرہ ہے۔

اگر اولی الامر پر بھی "أطیعوا" داخل ہوتا تب بھی اس اطاعت میں وہ قوت وشدت نہ ہوتی جو قوت اور شدت اطاعۃ اللہ اور اطاعۃ الرسول میں ہے۔

لفظ تقلید قرآن میں

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ قرآن میں لفظ "تقلید" نہیں۔

جواب یہ ہے کہ قرآن میں لفظ "اتباع" موجود ہے، اور اتباع وتقلید دونوں متساویین ہیں "ثبوت أحد المتساویین یستلزم ثبوت الأخر". جس طرح قرآن میں جنازہ کا لفظ نہیں لیکن ﴿وصل علیھم﴾. [التوبۃ: ۱۰۳] . موجود ہے، اب اگر کوئی کہے کہ قرآن میں لفظ جنازہ دکھاؤ تو اس کی بات ناقابل اعتبار ہے، صلاۃ علی المیت اور نماز جنازہ ایک ہی چیز ہے، صرف تعبیر میں فرق ہے، اسی طرح اتباع اور تقلید ایک ہی چیز ہے، قرآن میں لفظ اتباع ہے تقلید نہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اصول اربعہ کا اثبات قرآن سے

بعض حضرات نے شریعت کے اصول اربعہ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کا اثبات اس آیت سے کیا: "أطیعوا اللہ قرآن، أطیعوا الرسول حدیث، أولی الأمر اجماع، اور فإن تنازعتم فی شیء فردوہ إلی اللہ والرسول " سے قیاس کی طرف اشارہ ہے۔ اگر اس بات کو آپ نہیں مانتے تو اس کا مطلب کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ تنازع اسی لئے ہورہا ہے کہ اس شئے کا حکم صراحتاً قرآن وحدیث میں نہیں، اسی لئے حکم دیا کہ قرآن و حدیث میں اس کے نظائر کو دیکھو، اگر کوئی جوڑ ملتا ہے تو ملا دو اور نظیر والا حکم اس پر بھی جاری کرو۔ مثلاً بھنگ کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اختلاف ہوا تو اسے قرآن وحدیث کی طرف لوٹایا، صراحتاً حکم نہیں ملا، اب مجتہد کا

کام ہے کہ اس پر حکم لگائے کہ بھنگ میں اسکار ہے اور ہر مُسکر حرام ہے، لہٰذا بھنگ حرام ہے۔

تعین علل مجتہد کا کام ہے

اگر کوئی کہے کہ علت اسکار نکالنا اور حکم کو بھنگ کی طرف منتقل کرنا آسان ہے، اس کے لئے مجتہد کی کیا ضرورت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علت کی تعیین کہ یہ علت حقیقی ہے یا سبب قریب؟ یہ حکم معلول بعلتین ہے یا بعلۃ واحدۃ وغیرہ صرف مجتہد ہی کرسکتا ہے، غیر مجتہد کے بس کی بات نہیں۔

ایک کی ہی تقلید کیوں

اگر اولی الامر سے امراء مراد لئے جائیں تو اولی الامر جمع کا صیغہ ہے، آپ کتنے امیروں کے قائل ہیں ظاہر ہے کہ ایک ہی امیر ہوگا۔ ''مسلم شریف'' کی حدیث میں ہے: ''ایک امام کی موجودگی میں اگر دوسرا امامت کا دعویٰ کرے تو اسے قتل کیا جائے گا''(۱)۔

اسی طرح ائمہ فقہاء میں سے بھی صرف ایک کی تقلید کی جائے گی یعنی جو علم وتقویٰ کے لحاظ سے برتر ہو، ہماری تحقیق کے مطابق امام ابوحنیفہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں، لہٰذا ہم ان کی تقلید کرتے ہیں۔

غیر مقلدین بھی تقلید میں مبتلا ہیں

چار ائمہ کو منتخب کر کے پھر کسی ایک امام کو مختص کرنا مقلدین کا تفرد نہیں، غیر مقلدین بھی اسی طرح کرتے ہیں لیکن انداز کچھ اور ہے، غیر مقلدین بھی اپنے عام علماء اور بڑے علماء کو برابر نہیں سمجھتے، جتنا اعتماد انہیں اپنے بڑے علماء پر ہے عام علماء پر نہیں، بڑے علماء میں بھی فرق کرتے ہیں اور یہ فرق صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے بڑے علماء کو علم وتقویٰ کی بناء پر زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں، اسی لئے عام علماء کے فتاویٰ جمع نہیں کرتے اور تقلید اسی کا نام ہے کہ اتباع الإنسان غيره في مايقول أو يفعل معتقداً للحقيّة من غير نظرٍ إلى الدليل.

غیر مقلدین کے دلائل خود تقلید پر مبنی ہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں امام ابوحنیفہ نے فلاں مسئلے میں حدیث صحیح کی مخالفت کی، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے؟ تو کہتے ہیں حافظ ابن حجر وفلاں فلاں نے اس کی تصحیح کی۔ یہ خود تقلید ہے کہ حافظ ابن حجر وغیرہ کی بات تسلیم کرتے ہیں۔ یہاں دوہرا معیار

---

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب إذا بويع لخليفتين: ۱۲۸/۲، قديمي).

کہ ائمہ اربعہ کی تقلید حرام وشرک قرار پائے اور حافظ ابن حجر ودیگر محدثین کی تقلید سر آنکھوں پر۔

حاصل کلام

أطیعوا أولی الأمر أی: اتبعوهم، والاتباع هو التقلید، فالمعنی قلدوا أولی الأمر منکم اور اولی الامر سے حقیقۃً علماء مراد ہیں، جیسا کہ امام رازی کی عبارت گزری۔

نواب صدیق حسن خان اسی بات کو دوسرے انداز میں پیش کرتے ہیں:

"والتحقیق أن الأمراء إنما یطاعون إذا أمروا بمقتضی العلم، فطاعتهم تبع لطاعة العلماء کما أن طاعة العلماء تبع لطاعة الرسول"(۱).

''صحیح بات یہ ہے کہ امراء کی اطاعت صرف اس وقت کی جائے گی جب وہ شریعت کے مطابق حکم دیں، لہذا امراء کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے (کیونکہ علماء شریعت کو زیادہ جانتے ہیں) جس طرح علماء کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کے تابع ہے''۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والعلماء الذین تجب طاعتهم علی المستفتی والمأمور فیما أوجبوا علیه مبلغین عن الله أو مجتهدین اجتهاداً تجب طاعتهم فیه علی المقلد"(۲).

دوسری دلیل

﴿ولو ردوه إلی الرسول وإلی أولی الأمر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم﴾ [النساء: ۸۳].

''اگر یہ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں''۔

(۱) (الجنة: ٤، لم أظفر علیه).

(۲) (مجموعة الفتاویٰ: ۳۹/۱۹، مکتبة العبیکان).

استنباط کہتے ہیں: زمین سے کنواں کھود کر پانی نکالنا، یہ وہی پانی ہے جو پہلے سے اللہ رب العزت نے زمین میں رکھا ہے، کھودنے والے نے اسے ظاہر کیا نہ کہ اسے پیدا کیا، پہلے مخفی تھا، اب ظاہر ہوگیا، یہی حال قیاس کا ہے:القياس مظهر لا مثبت.

عامی پر تقلید علماء واجب ہے

علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

"فقد حفت هذه الأية المعاني، منها: أن في أحكام الحوادث ماليس بمنصوص عليه بل مدلول عليه، ومنها: أن على العلماء استنباطه والتوصل إلى معرفته برده إلى نظائره من المنصوص، ومنها: أن العامي عليه تقليد العلماء في أحكام الحوادث"(۱).

''یہ آیت کئی احکام پر مشتمل ہے منجملہ ان احکام کے یہ بھی ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں ایسے مسائل بھی ہیں جن پر قرآن صراحۃً دلالت نہیں کرتا بلکہ دلالۃً ان کا ذکر ہے، اور یہ کہ علماء پر واجب ہے کہ ان مسائل کا استنباط کریں اور منصوصات میں غور وخوض کر کے ان کے نظائر تلاش کریں اور ان کا حکم متعین کریں اور یہ کہ پیش آمدہ مسائل میں غیر مجتہد پر مجتہدین کی تقلید واجب ہے''۔

اس میں لفظ "العامي" آیا، جس سے مراد وہ شخص ہے جو استنباط واستخراج کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، یعنی مجتہد نہ ہو۔

امام رازی فرماتے ہیں:

"فثبت أن الاستنباط حجة، والقياس إما استنباط أو داخل فيه، فوجب أن يكون حجة، إذا ثبت هذا فنقول: الأية دالة على أمور، أحدها: أن في أحكام الحوادث مالايعرف بالنص بل بالا ستنباط، وثانيها: أن الاستنباط حجة، وثالثها: أن العامي يجب عليه تقليد العلماء في أحكام الحوادث"(۲).

(۱) (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۱۵، دار الكتاب العربي بيروت).

(۲) (تفسير كبير، سورة النساء: ۸۳، الجزء العاشر، ص: ۲۰۰، دار الكتب العلمية طهران).

''استنباط کا حجت ہونا تو ثابت ہے ہی، قیاس یا تو استنباط ہی کا دوسرا نام ہے، یا استنباط میں داخل ہے، لہذا اسے بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ قیاس بھی حجت ہے، چنانچہ یہ آیت کئی امور پر دلالت کرتی ہے۔

۱- پیش آمدہ مسائل میں ایسے مسائل بھی ہیں جو صراحتاً نص سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ استنباط وقیاس کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں، ۲- استنباط حجت ہے، ۳- پیش آمدہ مسائل میں غیر مجتہد پر مجتہد کی تقلید واجب ہے''۔

یہاں احکام الحوادث سے وہ نئے پیش آمدہ مسائل مراد ہیں جن کا وجود پہلے نہیں تھا، اب پیش آرہے ہیں۔

تمام مسائل منصوص علیہا نہیں

انہی پیش آمدہ مسائل کے متعلق علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"ومعلوم أن كل حادثة لايوجد فيها نص، والنصوص معدودة متناهية، ولا نهاية لما يقع من الحوادث إلىٰ قيام الساعة، وبتسميته حادثة إشارة إلى أنه لانص فيها، فإن مافيه النص يكون أصلاً معهوداً، وكذلك الصحابة مااشتغلوا باعتماد نص في كل حادثة طلباً أورواية، فعرفنا أنه لايوجد نصّ في كل حادثة"(۱).

''واضح رہے کہ ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل نصوص میں موجود نہیں کیونکہ نصوص چند گنے چنے ہی ہیں، جب کہ قیامت تک پیش آنے والے مسائل کی انتہاء نہیں۔ نیز پیش آمدہ مسائل کا نام "حــادِثَۃ" رکھنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے سلسلے میں کوئی نص نہیں کیونکہ جن مسائل کے متعلق نصوص موجود ہیں باقاعدہ ان کی اصل معروف ہے، اسی طرح صحابہ کرام بھی ہر پیش آمدہ مسئلے کے متعلق کسی نص ہی کی طلب یا روایت میں مشغول نہیں رہتے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ہر مسئلے کے متعلق نص موجود نہیں''۔

علامہ ابن تیمیہ نے "مجموعة الفتاوىٰ" میں بھینسوں کی زکوۃ کے متعلق فرمایا کہ انہیں گائے پر

(۱) (أصول السرخسي، باب القياس: ۲/۱۳۸، قديمي).

قیاس کرو(۱)۔

غیر مقلدین کا اعتراض کہ مقلدین قرآن وحدیث کو ناقص سمجھتے ہیں

احناف پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ قرآن وحدیث کو ناقص کہتے ہیں کہ تمام مسائل قرآن وحدیث میں نہیں، یہ اعتراض سوائے دھوکہ دہی کے کچھ نہیں، اگر چہ قرآن وحدیث میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے، صراحتاً یا کنایتاً، لیکن عقل ان کا ادراک کرنے سے عاجز ہے۔ حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ: "فإن لم تجد في كتاب الله، فإن لم تجد في سنة رسول الله" اس پر دال ہے کہ عقل ہر مسئلے کے ادراک سے قاصر ہے، جن مسائل کا حکم صراحتاً موجود ہے، ان میں تو کوئی خفا نہیں اور جو مسائل صراحتاً مذکور نہیں ان کے حل کے لئے مجتہدین کی ضرورت پیش آتی ہے، لہٰذا ہم مجتہدین کی خداداد فہم وفراست پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی تحقیقات پر عمل پیرا ہیں۔

آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر مسئلہ قرآن وحدیث سے بتائیں گے، اہل حدیث کے دو اصول" أطيعوا الله وأطيعوا الرسول" تو بھینس کے گوشت اور دودھ کی حلت کا حکم قرآن وحدیث سے بتائیں۔ کبھی گائے پر قیاس کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ ہم گائے پر قیاس نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بھینس گائے کی ایک نوع ہے، دونوں باتیں درست نہیں۔ قیاس تو آپ کے دو اصولوں سے ہٹ کر ہے وہ کیسے معتبر ہوگیا؟ یا پھر کس حدیث میں آیا کہ بھینس گائے کی ایک نوع ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص اور امام رازی رحمہما اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے کہ مذکورہ آیت استنباط (قیاس) کی حجیت اور عامی پر علماء کی تقلید کے لزوم پر دلالت کرتی ہے، قیاس کے متعلق ابھی گزار کہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت، یعنی حکم کی نسبت حقیقت میں نص کی طرف ہوتی ہے نہ کہ قیاس کی طرف لیکن اس حکم کو اخذ کرنا ہر ایک کا کام نہیں، بلکہ اس کی شرائط ہیں جو ان پر پورا اترے وہی اس کام کو انجام دے سکتا ہے، ہر قیاس معتبر نہیں بلکہ وہ قیاس معتبر ہے جو "مستنبط من الأصول الثلاثة" ہو، اسی لئے اصول فقہ کی کتابوں میں ہے "والأصل الرابع القياس المستنبط من هذه الأصول الثلاثة"۔

مجتہد قیاس کے ذریعے اس چیز پر لگنے والے حکم کو ظاہر کرتا ہے خود حکم نہیں لگاتا، حکم پہلے سے ہوتا ہے، لیکن مخفی ہوتا ہے، مجتہد اس خفا کو دور کرتا ہے۔

---

(۱) (مجموعة الفتاوى، كتاب الزكاة: ۲۵/۲۵، مكتبة العبيكان).

ائمہ شارع نہیں شارح ہیں

﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله﴾[التوبة: ۳۱].

''یہود ونصاری نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے''۔

کو پیش کرتے ہیں کہ مقلدین ائمہ کو خدائی درجہ حلال وحرام کا اختیار دیتے ہیں، یہ سراسر کذب اور بہتان ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی بھی خود اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال، کسی کو حرام قرار نہیں دے سکتا، چہ جائیکہ امام! امام کا رتبہ تو صحابہ سے بھی کم ہے اور نبی کا رتبہ نبی ہی کا رتبہ ہے، کہاں نبی اور کہاں امام؟ جب نبی کو یہ اختیار تحلیل وتحریم نہیں تو امام کو کون پوچھے گا۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿لم تحرم ما أحل الله لك﴾. [التحريم: ۱].

''جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام کرتے ہیں''۔

"تحريم الحلال يمين، وتحليل الحرام يمين" لہٰذا حکم دیا کہ کفارہ ادا کرو۔ ﴿قد فرض الله لكم تحلة أيمانكم﴾. [التحريم: ۲]. اگر آپ نبی کو شارع حقیقی سمجھتے ہیں تو یہ عقیدہ آپ کو مبارک ہو، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت شارع حقیقی اور نبی کی ذات شارع مجازی ہے۔

ائمہ حلال وحرام بتاتے ہیں بناتے نہیں، بتانے اور بنانے میں بہت فرق ہے، لوگ کفریہ کلمات کہہ کر اپنے کو کافر بناتے ہیں علماء انہیں کافر بتاتے ہیں، ائمہ کی حیثیت شارح کی ہے شارع ہرگز نہیں۔

غیر مقلدین سے دلچسپ سوال

غیر مقلدین سے سوال کیا گیا آپ تو محققین میں شمار ہوتے ہیں، اصل العقائد کلمہ طیبہ ''لا إله إلا الله محمد رسول الله'' کا ثبوت اپنے دو اصولوں سے فرمائیں، واضح رہے کہ عقائد کے باب میں قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ نص درکار ہوتی ہے، اخبار آحاد سے کام نہیں چلتا۔ بڑی مشکل سے ایک حدیث نکالی لیکن اس میں دوسرے کلمے کا ذکر ہے، قرآن میں لا إله إلاالله ایک مقام میں ﴿فاعلم أنه لا إله إلا الله﴾ [محمد: ۱۹]. اور ﴿محمد رسول الله﴾ [الفتح: ۲۹]. دوسری جگہ پر ہے۔ اصل العقائد کو تو اپنے اصولوں سے

ثابت نہیں کر سکتے، باقی کیا تحقیق کریں گے؟

ایمان تقلیدی معتبر ہے؟

علامہ عبدالنبی احمد نگری فرماتے ہیں:

"التقليد اتباع الإنسان غيره فيما يقول أو يفعل معتقداً للحقيّة فيه من غير نظر وتأمل في الدليل .... ثم اعلم أن التقليد على ضربين: صحيح، وفاسد، فالصحيح أن يقول : لاإله إلاالله أو أشهد أن لا إله إلا الله محمد رسول الله، فيقال له: ماقلت ؟ فقال: إني وجدت المؤمنين يقولون هذه الكلمة فيكونون مسلمين عندالله تعالىٰ، فقلتها أيضاً لأكون مسلما، فهو مؤمن"(۱).

''تقلید اسے کہتے ہیں کہ انسان کسی کو حق پر سمجھتے ہوئے دلیل میں غور وخوص کئے بغیر قولاً وفعلاً اس کی پیروی کرے .... جاننا چاہیے کہ تقلید کی دو قسمیں ہیں: تقلید صحیح، تقلید فاسد، تقلید صحیح یہ ہے کہ کوئی لا إله إلا الله یاأشهد أن لا إله إلا الله محمد رسول الله پڑھے۔اس سے پوچھا جائے کہ تم نے کیا پڑھا اور کیوں پڑھا؟ تو وہ کہے کہ لوگ جب یہ کلمہ پڑھتے ہیں تو اللہ کے ہاں ان کا شمار مسلمانوں میں ہوتا ہے، میں نے بھی اس لئے پڑھا تا کہ مسلمان ہوجاؤں تو وہ مؤمن ہوگا''۔

آپ سے سوال ہے کہ اس آدمی کا ایمان معتبر ہے یا نہیں؟ اگر اس کا ایمان معتبر ہے تو یہ ایمان تقلیدی ہے، آپ نے تو اصل الأصول میں تقلید کو قبول کرلیا اور اگر اس کا ایمان معتبر نہیں تو پھر سارے کافر ہیں۔

فقہ حنفی کی خصوصیت

امت پر فقہ حنفی کا بہت احسان ہے، فقہ حنفی ہی وہ واحد فقہ ہے، جس میں فقہ تحقیقی اور فقہ تقدیری دونوں موجود ہیں، فقہ تحقیقی صرف ان مسائل کا حل جن کا وقوع بھی ہوا ہو، فقہ تقدیری فرضی صورتیں بنا کر ان کا جواب دینا، اگر یوں ہوا تو اس کا یہ حکم ہے، آج کل سینکڑوں پیش آمدہ مسائل فقہ تقدیری کی روشنی میں حل کئے جاتے ہیں، امام

(۱) (جامع العلوم : ۳٤١/١، مير محمد كتب خانه).

رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر لکھی عقلی احتمالات بنا کر ان کے جوابات دیئے اور وہ احتمالات آج پیش آرہے ہیں۔

تیسری دلیل

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾ [النحل: ٤٣].

''اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے''۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''اکلیل'' سے نقل کیا:

"وفی "الإكليل" للجلال السيوطی: أنه استدل بها علی جواز تقليد العامی فی الفروع"(١).

''علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''اکلیل'' میں اس آیت سے فروعات میں جواز تقلید پر استدلال کیا''۔

غیر مجتہد کے لئے تقلید سے مفر نہیں

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لم يختلف العلماء أن العامة عليها تقليد علماء ها وأنهم المراد بقوله عزوجل: ﴿فاسئلوا أهل الذكر﴾، وأجمعوا علی أن الأعمی لابدله من تقليد غيره مما يثق بتمييزه بالقبلة إذا أشكلت عليه، فكذلك من لاعلم له ولابصرله بمعنی مايدين به، لابدله من تقليد عالمه(٢).

''علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غیر مجتہد کی تقلید واجب ہے اور ﴿فاسئلوا أهل الذكر﴾ سے علماء ہی مراد ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ نابینا پر جب قبلہ مشتبہ ہو جائے تو اس پر کسی غیر کی تقلید (بات ماننا) لازم ہے جس کے بتانے پر اسے اعتماد ہو، اسی طرح علوم دینیہ میں جسے مہارت نہ ہو اس پر بھی علماء کی تقلید واجب ہے''۔

تقلید نتیجہ وثمرۂ سوال ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إنما شفاء العی السؤال"(٣).

---

(١) (روح المعانی: سورة النحل: ٤٣، الجزء: ١٤، ص: ٥٢١، رشيدية).

(٢) (تفسير قرطبی، سورة الأنبياء: ٧، الجزء الحادی عشر، ص: ٢٤١، رشيدية).

(٣) (سنن أبوداود، كتاب الطهارة، باب فی المجروح يتيمم: ٥٤/١، امداديه).

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آیت اور حدیث میں سوال کا تذکرہ ہے، سوال اور تقلید میں فرق ہے، جواب یہ ہے کہ تقلید نتیجہ اور ثمرہ ہے سوال کا، پہلے آپ سوال کریں گے پھر دیئے گئے جواب کو مانیں گے، یہی تقلید ہے، تقلید کی تعریف گزری "اتباع الإنسان غيره فيما يقول أويفعل" پہلے مجتہد سے کوئی بات دریافت کی جائے گی اور علم ہونے کے بعد اس پر عمل کیا جائے گا، الحاصل: سوال مقدمہ تقلید ہے اور تقلید ثمرہ ونتیجہ سوال ہے۔

چوتھی دلیل

﴿وقالوا لو كنا نسمع أو نعقل ما كنا في أصحب السعير﴾ [الملك: ۱۰].

"اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے"۔

"قال ابن عباس: لو كنا نسمع الهدى أو نعقله أو لو كنا نسمع سماع من يَعِيْ ويفكر أونعقل عقل من يميز وينظر"(۱).

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کہیں گے کاش کہ ہم ہدایت کی بات سنتے یا از خود اتنی عقل رکھتے کہ ہدایت کو پالیں یا معنی یہ ہے کہ کاش کہ ہم اس شخص کی بات سنتے جو سمجھ بوجھ رکھنے والا تھا یا ہمارے اندر اتنی عقل ہوتی کہ کھوٹے کھرے میں فرق کر سکتے"۔

نجات کے دو طریقے

علامہ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

نجات کے دو طریقے ہیں، نسمع سماع الهدى، نسمع سماع من يعي ويفكر یعنی ہدایت والوں کی بات کو سنتے اور اس پر عمل کرتے یہی تقلید ہے یا پھر خود تحقیق کرتے اور مسئلے کو دلیل سے ثابت کرتے کہ اس مسئلے کی یہ دلیل ہے اور اس آیت سے یہ مسئلہ بطور عبارۃ النص ثابت ہو رہا ہے وغیرہ۔

نقل تحقیق تحقیق نہیں تقلید ہے

تحقیق اس کو کہتے ہیں کہ دلیل خود منطبق کرے یا اس طریقے سے استدلال کرے کہ یہ آیت اس مسئلے

---

(۱) (تفسير قرطبي: ۱۴۲/۱۸، رشيدية).

پر مطابقۃً یا تضمناً یا التزاماً دلالت کرتی ہے، باقی پہلے بھی یہ بات گزری ہے کہ کسی کی بات کو نقل کرنا نقل تحقیق ہے، تحقیق نہیں بلکہ تقلید ہے اور دلیل پیش کرنا کہ فلاں مسئلہ فلاں دلیل سے بطور عبارۃ النص یا اشارۃ النص کے ثابت ہے غیر مقلدین کے بس کی بات نہیں، ان کے فتاویٰ جات نقل تحقیق سے بھرے پڑے ہیں پھر بھی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہیں۔

حکم کے مطابق دلیل پیش کرنا فقہاء کا کام ہے

مولانا غلام رسول خان صاحب فرماتے ہیں:

"حکم اور دلیل میں مطابقت بایں طور کہ حکم اس دلیل سے عبارۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص یا دلالۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے صرف فقہاء کا میدان ہے، محدثین کے بس کی بھی بات نہیں۔ غیر مقلدین کا مقام تو بہت دور ہے، مثلاً: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب قائم کیا، باب لاتقبل صلوة بغير طهور یہ **دعویٰ اور حکم** ہے بطور دلیل یہ حدیث پیش کی، "لاتقبل صلوة بغير طهور ولا صدقة من غلول". دعویٰ عدم **صحت صلوۃ کا** ہے کہ بغیر طہارت نماز صحیح ہی نہیں اور دلیل میں لاتقبل نفی قبولیت کا ذکر ہے، **صحت اعم مطلق ہے اور قبول اخص مطلق**، عدم قبول عدم صحت کو مستلزم نہیں، **بالفاظ دیگر دعویٰ خاص کا اثبات عام دلیل سے نہیں ہوتا کیونکہ "لا دلالة** للخصوص على العموم **من** إحدى الدلالات الثلاث".

محدثین کی شہادت کہ فقہاء معانی حدیث زیادہ جانتے ہیں

محدث کا کام نقل حدیث ہے، حدیث سے **مسئلہ استنباط کرنا فقہاء کا کام ہے، اگر محدث استدلال کرنا** چاہے تو زیادہ سے زیادہ یہ **استدلال کرسکتا ہے کہ یہ حدیث اس مسئلہ** پر مطابقۃً **دلالت کرتی ہے، تضمن اور** التزام اس کی پہنچ سے دور ہیں۔ مسئلہ کی حقیقت تک پہنچنا صرف فقہاء کا کام ہے، **مسئلہ ولوغ کلب میں فقہاء** کہتے ہیں کہ احادیث میں جو عدد کا ذکر آیا وہ **مقصودی نہیں**، مقصودی چیز انقاء ہے، تین مرتبہ **سے حاصل ہو یا تین** سے زائد سے، اسی طرح استنجاء کے **مسئلے میں بھی مقصود** انقاء ہے، **ایک پتھر سے حاصل ہو یا دو تین سے، جیسا کہ** صاحب "نور الایضاح" نے فرمایا اگر نجاست مخرج سے **تجاوز نہ کرے تو استنجاء کی ضرورت نہیں اگر تجاوز کرے**

تو پھر استنجاء کرے، بات کی تہہ تک پہنچنا فقہاء کا کام ہے اور محدثین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں: "الفقهاء هم أعلم بمعاني الحديث". فقہاء معنی حدیث محدثین سے زیادہ جانتے ہیں(۱)۔

(۱) (سنن الترمذی: ۱۹۳/۱، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی غسل المیت، سعید).

تقلید شخصی کا مسئلہ

تقلید شخصی کے دلائل سے تقلید مطلق کا اثبات بھی ہوتا ہے جیسا کہ زید کے اثبات سے خود بخود انسان کا اثبات ہوتا ہے: "لأن الزيد عبارة عن الإنسانية مع الهذية".

"إنّ المقيد عبارة عن المطلق مع المقيد" اور وہ قید اسی شخص کی ہے، نیز تقلید شخصی اخص جب کہ تقلید مطلق اعم ہے اور وجود الأخص يستلزم وجود الأعم.

پہلی دلیل

"عن حذيفة رضي الله عنه قال: "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: اقتدوا باللذين من بعدي، أبي بكر وعمر". رواه الترمذي، وقال: هذا حديث حسن "(۱).

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ میرے بعد ان دونوں کی پیروی کرنا (جو میرے جانشین ہوں گے) اور وہ ابوبکر وعمر ہیں''۔

اس سے تقلید شخصی پر واضح استدلال کیا جا سکتا ہے۔ باللذين مبدل منہ اور أبي بكر وعمر بدل ہے۔ حکم اقتداء کا دیا گیا اور پہلے ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ التقليد هو الاتباع، والاتباع يستلزم الاقتداء، والاقتداء يستلزم الاتباع، فلامنافاة بين الاقتداء والاتباع، یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

(۱) (سنن الترمذي، كتاب المناقب، مناقب أبي بكر الصديق: ۲/۲۰۸، سعيد).

ایک سے زائد کی تعیین تقلید شخصی کے منافی نہیں

اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے نام لئے، شخص واحد کو متعین نہیں کیا، اس سے تقلید شخصی پر استدلال درست نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات چلتی رہی، ان کی اتباع کی جاتی رہی، ان کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ان کی پیروی کی گئی، یہ شخص واحد کی اتباع اور تقلید نہیں تو کیا ہے؟

دوسری دلیل

"عن العرباض بن سارية قال: وعظنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوماً بعد صلوة الغداة موعظةً بليغةً، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب، فقال رجل: إن هذه موعظة مودعٍ، فماذا تعهدنا يارسول الله! قال: أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدٌ حبشيٌّ، فإنه من يعش منكم يرى اختلافاً كثيراً، وإياكم ومحدثات الأمور، فإنها ضلالةٌ، فمن أدرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ. هذا حديث حسن صحيح"(۱).

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ہم کو نہایت مؤثر انداز میں نصیحت کی کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا، ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری نصیحت ہے، آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہو اور تم کو مسلمان سردار جو کہے سننے اور بجا لانے کی وصیت کرتا ہوں، اگر چہ وہ سردار حبشی غلام ہو، تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، لہٰذا تمہیں چاہیے کہ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو، اس لئے کہ وہ گمراہی ہے۔ ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ

(۱) (سنن الترمذي: ۲/۹٦، كتاب العلم، باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة، سعيد).

میرے اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے کو لازم جانو اور اسی طریقے پر بھروسہ رکھو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو''۔

حکم دیا کہ خلفاء راشدین کے بتائے ہوئے طریقے کو بھی مضبوطی سے تھامے رہو، تقلید شخصی میں امام کی بتائی ہوئی تشریح پر عمل کیا جاتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ''خلفاء'' جمع کا صیغہ ہے اور خلفاء چار ہیں، لہٰذا یہ تقلید شخصی نہیں۔
جواب یہ ہے کہ اگر چہ خلفاء جمع کا صیغہ ہے اور خلفاء چار ہیں لیکن نفس الامر اور خارج میں لوگوں کا واسطہ پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور حضرت علی سے پڑا، یعنی تقلید شخصی کا تحقق نفس الامر اور خارج میں علی سبیل البدلیت ہوا۔

سنت کی تعریف

خلفاء راشدین کے عمل کو بھی سنت کہا گیا، اسی لئے ہمارے نزدیک سنت کی تعریف بھی یوں کی جاتی ہے کہ جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مواظبت اختیار کی ہو۔ اذان سنت موکدہ ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عملی طور پر اذان دینے کا ثبوت علی التحقیق نہیں، صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صرف تین راتوں کی تراویح کا ثبوت ملتا ہے، رکعات کا ثبوت نہیں۔

۱- پورے رمضان میں

۲- مع الجماعة

۳- مسجد میں

۴- ختم قرآن، کس حدیث سے ثابت ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل نہیں تو حکم دکھائیں، کسی حدیث میں نہیں یا پھر یہ دکھائیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ختم قرآن کا حکم دیا ہو۔ یہ صرف صحابہ کے عمل سے ثابت ہے۔ جب آپ یہاں صحابہ کی بات مانتے ہیں تو رکعات تراویح کے سلسلے میں بھی ان کی بات کو تسلیم کریں اور بیس رکعات تراویح پڑھیں۔

تیسری دلیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ طواف کے بعد عورت کو حیض آجائے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا لوٹ جائے، اہلِ مدینہ نے کہا: "لا نأخذ بقولك وندع قول زيد" (۱).

"عن عكرمة أن أهل المدينة سألوا ابن عباس عن امرأة طافت ثم حاضت، قال لهم: تنفر، قالوا: لا نأخذ بقولك، وندع قول زيد بن ثابت .... وفي رواية الثقفي: لانبالي بقولك أفتيتنا أو لم تفتنا، لا نتابعك وأنت تخالف زيداً" (۲).

''حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس عورت کے متعلق پوچھا جسے طواف کے بعد حیض آجائے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ واپس جاسکتی ہے، اہل مدینہ نے کہا: ہم زید بن ثابت کی بات چھوڑ کر آپ کی بات نہیں مانیں گے .... ثقفی کی روایت میں ہے: آپ ہمیں فتویٰ دیں یا نہ دیں، ہمیں آپ کے فتویٰ کی پرواہ نہیں اور نہ ہی ہم آپ کی بات مانیں گے کہ آپ زید بن ثابت کی مخالفت کرتے ہیں''۔

اہل مدینہ صاف طور پر کہہ رہے ہیں کہ ہم آپ کے قول کو نہیں لیتے ہم زید بن ثابت کی بات ہی مانیں گے، یہ تقلید شخصی نہیں تو کیا ہے؟

چوتھی دلیل

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کا ارشاد ہے:

"لا تسئلو ني مادام هذا الحبر فيكم" (۳).

جب تک یہ موجود ہیں انہی کی اتباع کرو اور پیش آمدہ مسائل کا حل انہی سے پوچھو۔ شخص واحد ہیں، تقلید شخصی بھی یہی چیز ہے۔

(۱) (الصحيح للبخاري، كتاب الحج، باب إذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت: ۲۳۷/۱، قديمي).

(۲) (فتح الباري، كتاب الحج، باب إذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت: ۷۴۹/۳- ۷۵۰، قديمي).

(۳) (الصحيح للبخاري، كتاب الفرائض، باب ميراث ابنة ابن مع ابنة: ۹۹۷/۲، قديمي).

پانچویں دلیل

"حدثنا هناد، ثنا وكيع، عن شعبة، عن أبي عون، عن الحارث بن عمرو، عن رجال من أصحاب معاذ، عن معاذ أنَّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعث معاذاً إلى اليمن، فقال: كيف تقضي؟ فقال: أقضي بما في كتاب الله، قال: فإن لم يكن في كتاب الله قال: فبسنة رسول الله، قال: إن لم يكن في سنة رسول الله – صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– قال: أجتهد رائي، قال: الحمدلله الذي وفق رسولَ رسولِ الله لما يحب ويرضى"(۱).

''حضرت معاذ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن بھیجنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: وہاں کس طرح فیصلے کرو گے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا: قرآن کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قرآن میں نہ ملے تو پھر؟ حضرت معاذ نے جواب دیا کہ سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا: پھر اجتہاد کروں گا ،آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی ذات قابل تعریف ہے، جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس راہ کی توفیق دی جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس پر راضی ہے''۔

اہل یمن نومسلم ہیں ، احکام دینیہ سے زیادہ واقف نہیں ، ان کی عبادات، مناکحات، معاملات، معاشرت کے مسائل کا حل حضرت معاذ کریں گے، اور اہل یمن اپنے تمام مسائل ان سے دریافت کریں گے، یہی تقلید شخصی ہے۔ نیز اس حدیث سے اہل حدیث کے دو اصول أطيعوا الله وأطيعوا الرسول. (صرف قرآن وحدیث) برقرار نہ رہے کہ ایک اور اصل اجتہاد بھی ہو گیا اور اجتہاد قرآن وسنت میں غور وفکر کر کے ہی کیا جائے گا۔ قرآن وحدیث میں غور وفکر ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ یہ کام وہی کرے گا جو علوم پر مکمل دسترس کے علاوہ تقویٰ سے بھی آراستہ ہو اور یہ صفات مجتہد کی ہیں۔ باقی غیر مجتہد تو مجتہد کی تحقیق پر عمل پیرا ہوں گے، یہی تقلید شخصی کا حاصل ہے۔

علامہ جوزجانی نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں اس حدیث کی سند پر اعتراض کیا ہے:

---

(۱) (جامع الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في القاضي كيف يقضي: ۱/۲٤۷، سعيد).

"هـذا الحديث باطل، رواه جماعة عن شعبة، وقد تصفحت هذا الحديث بالمسانيد الكبار والصغار، وسألت من لقيته من أهل العلم بالنقل عنه فلم أجدله طريقاً غير هذا، والحارث بن عمرو هذا مجهول، وأصحاب معاذ من أهل حمص لايعرفون، ومثل هذا الإسناد لايعتمد عليه"(۱).

''یہ حدیث باطل ہے، ایک جماعت شعبہ سے یہ حدیث نقل کرتی ہے، میں نے چھوٹی بڑی مسانید چھان ماریں اور جس عالم سے ملاقات ہوئی اس حدیث کے متعلق اس سے پوچھا لیکن اس سند کے علاوہ دوسری سند نہ ملی جب کہ اس سند میں حارث بن عمرو مجہول ہے اور حضرت معاذ کے حمصی ساتھی معروف نہیں۔ اس قسم کی سند قابل اعتماد نہیں ہوتی''۔

علامہ ابن قیم نے ''اعلام الموقعین'' میں اس کا جواب دیا ہے:

"وهذا الحديث وإن كان عن غير المسمين، فهم أصحاب معاذ فلا يضره ذلك؛ لأنه يدل على شهرة الحديث، وأن الذى حدث به الحارث بن عمرو عن جماعة من أصحاب معاذ لا واحد منهم، وهذا أبلغ فى الشهرة من أن يكون عن واحدٍ لو سمّى، كيف وشهرة أصحاب معاذ بالعلم والدين والفضل والصدق بالمحل الذى لايخفى، ولايعرف فى أصحابه متهم ولا كذاب ولا مجروح، بل أصحابه من أفاضل المسلمين وخيارهم، لايشك أهل العلم بالنقل فى ذلك، كيف وشعبة حامل لواء هذا الحديث، وقد قال بعض أئمة الحديث: إذا رأيت شعبة فى إسناد حديث فاشدد يديك به"(۲).

''اس حدیث کے راویوں کے نام اگر چہ معلوم نہیں لیکن یہ بات مضر نہیں کیونکہ وہ حضرت معاذ کے ساتھی ہیں اور اس حدیث کی شہرت بایں طور ہے کہ حارث بن عمرو حضرت معاذ کے ساتھیوں کی جماعت سے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں اور حضرت معاذ کے ساتھیوں کی جماعت سے نقل کرنا شہرت حدیث کے سلسلے میں اس سے زیادہ سودمند ہے کہ

(۱) لم اظفر على هذالكتاب.

(۲) (إعلام الموقعين، حديث معاذ حين بعثه الرسول إلى اليمن: ۱/۱۵۵، دارالكتب العلمية بيروت).

کسی ایک ساتھی سے نقل کرتے اور اس کا نام لیتے، باوجود راویوں کے نام نہ ہونے کے حدیث کیونکر مشہور نہ ہو کیوں کہ حضرت معاذ کے ساتھیوں کی شہرت علم و دین، بزرگی وسچائی کے حوالے سے مخفی نہیں اور نہ ہی ان کے ساتھیوں میں کوئی متہم یا کذاب ہے بلکہ وہ سب اعلیٰ و برتر قسم کے مسلمان ہیں۔ اہل علم اسے نقل کرنے میں شک ومخمصے کا شکار نہیں ہوتے اور شک ومخمصے کا شکار کیونکر ہوں جب کہ اس حدیث کے رواۃ میں شعبہ سرفہرست ہے اور شعبہ کے متعلق بعض آئمہ حدیث کا کہنا ہے کہ جب شعبہ کسی حدیث کی سند میں ہو تو اس حدیث کو مضبوطی سے تھام لو"۔

علامہ ابن قیم خطیب کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

"إن عبادة بن نسي رواه عن عبدالرحمن بن غنم عن معاذ، وهذا إسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة على أن أهل العلم قد نقلوه واحتجوا به، فوقفنا بذلك على صحته عندهم كما وقفنا على صحة قول رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لاوصية لوارث"........ وإن كانت هذه الأحاديث لاتثبت من جهة الإسناد لكن لما تلقتها الكافة عن الكافة غنوا بصحتها عندهم عن طلب الإسناد لها، فكذلك حديث معاذ لما احتجوا به جميعاً غنوا عن طلب الإسناد له"(۱).

"عبادہ بن نسی اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن غنم کے واسطے حضرت معاذ سے نقل کرتے ہیں اور یہ متصل سند ہے، اس کے رواۃ بھی عادل وثقہ ہیں، مزید یہ کہ اہل علم اس حدیث کو نقل کرتے ہیں اور قابل استدلال سمجھتے ہیں، ان امور کی وجہ سے ہم یہی سمجھتے ہیں یہ حدیث ان کے ہاں صحیح ہے (اگر صحیح نہ ہوتو کیونکر اسے نقل کرتے اور کیونکر اس سے استدلال کرتے) جیسا کہ علماء امت کی نقل واستدلال کی بناء پر ہم "لاوصية لوارث" کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ یہ احادیث اگر چہ سنداً اس پائے کی نہیں لیکن جب جماعت در جماعت سے منقول ہوتی چلی آرہی ہیں تو اسی صحت کی وجہ سے ان کی سندوں میں بحث کی چنداں

(۱) (اعلام الموقعين، حديث معاذ: ۱/۱۵۵، دار الكتب العلمية).

ضرورت نہیں، اسی طرح حدیث معاذ بھی ہے۔ جب علماء کی ایک جماعت اس سے استدلال کرتی ہے تو سند پر بحث کی خاص ضرورت نہیں''۔

عبدالرحمٰن بن غنم کے متعلق ابن عبدالبر اندلسی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ ہوسکی۔ حضرت معاذ کے ساتھی تھے اور حضرت عمر سے ان کا سماع ہے: "وکان من أفقه أهل الشام"(۱).

چھٹی دلیل

"كتب عمر إلى شريح اقض بما في كتاب الله، فإن لم تجد فبما في سنة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإن لم تجد فبما قضى به الصالحون"(۲).

''حضرت عمر نے قاضی شریح کو لکھا کہ قرآن کے مطابق فیصلہ کرو، اگر قرآن میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو، اگر سنت رسول میں بھی نہ ملے تو ماضی کے صلحاء نے جس طرح فیصلے کئے ہوں اس طرح فیصلہ کرو''۔

تقلید شخصی یہی ہے کہ علماء سابقین کی آراء پر عمل کیا جائے۔

"وابن عباس كان يفتي بما في الكتاب ثم بما في السنة ثم بسنة أبي بكر وعمر لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: اقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر وعمر"(۳).

''حضرت ابن عباس اولاً قرآن کے مطابق فیصلہ کرتے، اگر قرآن میں صراحت نہ ہوتی تو سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق، اگر سنت میں بھی صراحت نہ ملتی تو حضرت ابوبکر عمر کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے: میرے بعد ان دونوں کی پیروی کرنا (جو میرے جانشین ہوں گے) ابوبکر و عمر''۔

(۱) (تهذيب التهذيب: ٦/٢٥٠، دار صادر بيروت، تهذيب الكمال: ١٧/٣٤٢، مؤسسة الرسالة).

(۲) (جامع بيان العلم وفضله، باب اجتهاد الرأي على الأصول: ٢/٨٤٦، دار ابن الجوزي).

(۳) (مجموعة الفتاوىٰ: ١٩/١٠٩، مكتبة العبيكان).

ساتویں دلیل

"وقال ابن عبدالملك بن أبي سليمن : سمعت سعيد بن جبير يقول: تستفتوني وفيكم إبراهيم النخعي"(١).

تقلید شخصی پر واضح دلیل ہے کیونکہ حضرت ابراہیم نخعی اعلم تھے اور اعلم ہی کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو اعلم سمجھتے ہیں، لہٰذا انہی کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ صحابہ کرام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اعلم تھے وہ زیادہ لائق تقلید ہیں۔ جواب یہ ہے کہ دراصل ہم انہی ارشادات پر عمل پیرا ہیں، جو پیارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے اور جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معمول بہا ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کو یکجا کر کے منقح اور مدون کیا۔ خود ساختہ شریعت ایجاد نہیں کی، لہٰذا یہ اعتراض فضول ہے کہ ہم صحابہ کرام کی تقلید کیوں نہیں کرتے۔ کہاں صحابہ کا مقام اور کہاں امام ابوحنیفہ کہ ہم امام ابوحنیفہ کو ترجیح دیں۔ أعاذنا الله منه.

آٹھویں دلیل

"قال شعيب ابن الحبحاب : قال لي الشعبي: عليك بذلك الأصم يعني ابن سيرين"(٢).

''شعیب بن الحجاب کہتے ہیں کہ شعبی نے مجھے کہا ابن سیرین کو لازم پکڑو''۔

"روى أحمد بن يحيى بن وزير عن ابن وهب قال: لو كان بقي لنا عمرو بن الحارث مااحتجنا إلى مالك"(٣).

''احمد بن یحیٰ راوی ہیں کہ ابن وہب کہا کرتے تھے اگر عمرو بن الحارث زندہ ہوتے تو ہم امام مالک کے پاس نہ جاتے''۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کئی آثار ''اعلام الموقعین'' میں نقل کئے جو تقلید شخصی پر واضح دلائل ہیں:

---

(١) (تذكرة الحفاظ: ١/٧٤، دار إحياء التراث العربي).

(٢) (تذكرة الحفاظ: ١/٧٨، دار إحياء التراث العربي).

(٣) (تذكرة الحفاظ: ١/١٨٤، دار إحياء التراث العربي).

"وقال الشبعي: إذا اختلف الناس في شيء فخذوا بما قال عمر"(۱).

"شعبی فرماتے ہیں اگر کسی مسئلے میں لوگوں کا اختلاف ہو تو اسی تحقیق پر عمل کرو جو حضرت عمر سے ثابت ہو"۔

غیر مقلدین کے اصول کے پیش نظر امام شعبی مشرک ٹھہرے کہ قرآن کو پس پشت ڈال دیا اور ﴿فإن تنازعتم في شيء فردُوه إلى الله والرسول﴾ کو ترک کیا۔

"قال محمد بن جرير: لم يكن أحد له أصحاب معروفون حرروافتياه ومذاهبه في الفقه غير ابن مسعود، وكان يترك مذهبه وقوله لقول عمر، وكان لايكاد يخالفه في شيء من مذاهبه، ويرجع من قوله إلى قوله، وقال الشبعي: كان عبدالله لايقنت، وقال: لوقنت عمر لقنت عبدالله"(۲).

"محمد بن جریر فرماتے ہیں سوائے عبداللہ بن مسعود کے کسی صحابی کے ایسے شاگرد نہیں جو فقہ میں ان کے فتاویٰ و مذہب محفوظ کرتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر کے قول کی وجہ سے اپنا مذہب وقول چھوڑ دیتے تھے اور اپنے مذہب میں حضرت عمر کی ذرہ بھی مخالفت نہیں کرتے۔ بسااوقات اپنی تحقیق چھوڑ کر حضرت عمر کے قول کو اختیار کرتے۔ امام شعبی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود قنوت نہیں پڑھتے تھے اور کہتے اگر عمر قنوت پڑھتے تو عبداللہ بھی قنوت پڑھتا"۔

تقلید شخصی اسی کا نام ہے، اگر غیر مقلدین اس دور میں ہوتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود بھی نا قابل گرفت قرار پاتے کہ براہ راست احادیث نہیں بلکہ حضرت عمر کی موافقت کی کوشش کرتے ہیں"۔

"قال الشعبي: من سرّه أن يأخذ بالوثيقة في القضاء فليأخذ بقول عمر، وقال مجاهد: إذا اختلف الناس في شيء فانظروا ما صنع عمر فخذوابه"(۳).

---

(۱) (إعلام الموقعين، فصل الصحابة سادة المفتيين والعلماء: ۱/۲۳، دار الجيل.

(۲) (إعلام الموقعين، فصل فضل عمر بن الخطاب: ۱/۲۸، دار الجيل).

(۳) (إعلام الموقعين، فصل فضل عمر بن الخطاب: ۱/۲۷، دار الجيل).

''شعبی فرماتے ہیں: جسے یہ بات بھلی لگے کہ قضاء (فیصلوں) میں بہتر وصحیح راہ پر گامزن ہوتو اسے چاہیے کہ حضرت عمر کے قول پر عمل کرے، مجاہد فرماتے ہیں: جب لوگ کسی بات میں اختلاف کریں تو حضرت عمر کا فعل دیکھیں کہ وہ کیا ہے، اسی کو لے لو''۔

غیر مقلدین یہاں کیا لب کشائی کریں گے، کیا فیصلوں میں بہتر وصحیح راہ پر گامزن وہ شخص ہے جو حضرت عمر کے قول پر عمل کرے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول بہتر ہے؟ اسی طرح مجاہد جو بوقت اختلاف بجائے قرآن وحدیث کے حضرت عمر کے قول کو لینے کا حکم دیتے ہیں۔

"وقال الأعمش عن إبراهيم أنه كان لايعدل بقول عمر وعبدالله إذا اجتمعا، فإذا اختلفا كان قول عبدالله أعجب إليه؛ لأنه كان ألطف"(۱).

''اعمش ابراہیم نخعی کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت عمر وعبداللہ بن مسعود جب کسی مسئلے پر متفق ہوئے تو ابراہیم نخعی اسی قول کو اختیار کرتے اور جب ان کا اختلاف ہوتا تو حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول بوجہ نرمی وسہولت کے انہیں زیادہ پسند تھا''۔

"قال [طاؤس] أدركت سبعين من أصحاب محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا تداروا في شيء انتهوا إلى قول ابن عباس"(۲).

''طاؤس فرماتے ہیں: میں نے ستر صحابہ کا زمانہ پایا، جب بھی ان کا کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو آخری فیصلہ حضرت ابن عباس کے قول پر ہی ہوتا''۔

غیر مقلدین ان صحابہ کے متعلق کیا کہیں گے، جو بوقتِ اختلاف ﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول﴾ کو چھوڑ کر حضرت ابن عباس کے قول کو مانتے ہیں۔

"عن اللحمي عن أبيه أن عمر بن الخطاب خطب الناس بالجابية، فقال: من أراد أن يسأل عن الفرائض فليأت زيد بن ثابت، ومن أراد أن يسأل عن الفقه فليأت معاذ بن جبل، ومن أراد المال فليأتني"(۳).

(۱) (اعلام الموقعين، فصل الصحابة سادة المفتيين: ۱/۲۳، دار الجليل).
(۲) (اعلام الموقعين، فضل ابن عباس: ۱/۲۷، دار الجليل).
(۳) (اعلام الموقعين، فصل الصحابة الذين انتشر عنهم الدين والفقه: ۱/۳۰، دار الجليل).

''یحییٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جابیہ نامی مقام میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: جو میراث کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہے تو زید بن ثابت سے پوچھے اور جو فقہ سے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ بن جبل سے پوچھے اور جو مال چاہتا ہے میرے پاس آئے''۔

صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود ہے لیکن پھر بھی میراث کے مسائل صرف زید بن ثابت اور فقہ کے مسائل معاذ بن جبل سے پوچھے جائیں، تقلید شخصی نہیں تو کیا ہے؟

علاوہ ازیں مکہ مدینہ، شام، یمن، کوفہ، مصر وغیرہ میں اہلِ علم وفضل کی ایک بڑی جماعت موجود ہے لیکن اہل فتویٰ جن کے اقوال پر امت عمل پیرا ہو وہ چند ہیں، جن کی تفصیل علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''اعلام الموقعین'' میں بیان کی ہے(۱)۔

یہ سب تقلید شخصی کی صورتیں ہیں۔

مذاہب اربعہ پھر ایک امام کی تخصیص

خیر القرون میں دینداری غالب تھی۔ تتبع رخص کا وجود نہ تھا، کسی بھی مجتہد عالم سے مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل کیا جاتا۔

علامہ آمدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إنّه لم تزل العامة فی زمن الصحابة والتابعين قبل حدوث المخالفين يستفتون المجتهدين ويتبعونهم فی أحكام الشريعة"(۲).

''مخالفین کے ظہور سے قبل صحابہ وتابعین کے دور میں عام معمول یہ تھا کہ لوگ مجتہدین سے مسائل دریافت کرتے اور احکام شریعت میں ان کی پیروی کرتے تھے''۔

بعض مجتہدین کا مذہب مدون نہ ہوسکا اور بعض کے مذہب کو تدوین کے بعد شہرت نہ ملی اور بعض مذاہب کچھ عرصہ رائج رہنے کے بعد ختم ہوگئے۔

---

(۱) (اعلام الموقعین: ۱/ ۳۰-۴۰، دار الجیل).

(۲) (الإحكام فی أصول الأحكام: ٤/ ۱۹۸، مؤسسة الحلبی القاهرة).

جن مجتہدین کا مذہب مدون نہیں ان کی تقلید جائز نہیں

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وليس في الكتاب والسنة فرق في الأئمة المجتهدين بين شخصٍ وشخصٍ، فمالك، والليث بن سعد، والأوزاعي، والثوري هولاء أئمة في زمانهم، وتقليد كل منهم كتقليد الآخر، لايقول مسلم: إنه يجوز تقليد هذا دون هذا، ولكن من منع من تقليد أحد هؤلاء في زماننا، فإنما يمنعه لأحد شيئين: أحدهما: اعتقاده أنه لم يبق من يعرف مذاهبهم، وتقليد الميت فيه نزاعٌ مشهورٌ، فمن منعه قال: هؤلا موتى، ومن سوّغه قال: لابد أن يكون في الأحياء من يعرف قول الميت.

والثاني: أن يقول: الإجماع اليوم قد انعقد على خلاف هذا القول .... وأما إذا كان القول الذي يقول به هؤلاء الأئمة أوغيرهم قد قال به بعض العلماء الباقية مذاهبهم، فلا ريب أن قوله مؤيّدٌ بموافقة هؤلاء ويعتضد"(١).

''قرآن وحدیث میں آئمہ مجتہدین کے متعلق کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا، امام مالک، لیث بن سعد، امام اوزاعی، سفیان ثوری وغیرہ اپنے زمانے کے امام تھے، ان میں سے ہر ایک کی تقلید اس طرح ہے جیسے دوسرے کی تقلید، کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ صرف اس کی تقلید جائز اور اُس کی جائز نہیں، اس کے باوجود ان مجتہدین کی تقلید سے جو حضرات منع کرتے ہیں، اس کی دو وجہیں ہیں:

۱- ان کے خیال میں اب ان مجتہدین کے مذاہب سے کوئی واقف نہیں اور میت کی تقلید کے متعلق مشہور اختلاف ہے، جو حضرات منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ مرگئے اب ان کی تقلید جائز نہیں اور جو اسے جائز کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ مجتہدین وفات پاگئے لیکن اب بھی کئی صاحب حیات ان کے اقوال کو جانتے ہیں .... البتہ جن مجتہدین کے مذاہب باقی ہیں اگر ان کے اقوال سے ان کی تائید ہو تو پھر ان مجتہدین کا قول بھی

(١) (مجموعة الفتاوى: ٢٢٥/٢٣، مكتبة العبيكان).

مضبوط شمار ہوگا''۔

حاصل یہی ہے کہ آئمہ اربعہ کے علاوہ دیگر مجتہدین کے مذاہب باقی نہ رہ سکے، اس لئے صرف آئمہ اربعہ کی تقلید کی جاتی ہے۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں:

"ويجب علينا أن نعتقد أن الأئمة الأربعة والسفيانين والأوزاعي وداؤد الظاهری وإسحق بن راهويه وسائر الأئمة على هدى .... وعلى غير المجتهد أن يقلد مذهباً معيناً .... لكن لايجوز تقليد الصحابة وكذا التابعين كما قاله إمام الحرمين: كل من لم يدون مذهبه، فيُمْتَنَعُ تقليد غير الأربعة فی القضاء والإفتاء؛ لأن المذاهب الأربعة انتشرت وتحررت حتى ظهرت تقييد مطلقها وتخصيص عامها بخلاف غيرهم؛ لانقراض أتباعهم، وقد نقل الإمام الرازی إجماع المحققين على منع العوام من تقليد أعيان الصحابة وأكابرهم"(١).

''ہم پر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ آئمہ اربعہ، سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ، امام اوزاعی، داؤد ظاہری، اسحٰق بن راہویہ اور تمام آئمہ راہ راست پر تھے .... اور غیر مجتہد پر لازم ہے کہ کسی معین مذہب کی تقلید کرے .... لیکن صحابہ کی تقلید جائز نہیں، اسی طرح تابعین کی تقلید بھی۔ جیسا کہ امام الحرمین کی تحقیق سے واضح ہے کہ جس امام کا مذہب مدوّن نہ ہو اس کی تقلید جائز نہیں۔ لہٰذا قضاء وافتاء میں آئمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں۔ کیونکہ مذاہب اربعہ اس حد تک مشہور اور پھیل گئے کہ ان میں مطلق کی قیودات، عموم کی تخصیصات بھی واضح ہیں، برخلاف دیگر مذاہب کے کہ ان میں یہ چیز نہیں کیونکہ ان کے پیروکار جلد ہی ختم ہوگئے تھے۔ امام رازی نے اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو اکابر صحابہ کی تقلید سے منع کیا جائے گا''۔

تمام مجتہدین کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ ہدایت پر تھے، باقی تقلید صرف ان کی کی جائے گی جن کے مذاہب مدون ومنقح ہیں۔ صحابہ کرام کی تقلید کی اجازت نہیں کیونکہ ان کے مذاہب بھی مدون نہیں۔

(١) (فیض القدیر: ١/١٠٤-٤٠٢، مکتبة نزار مصطفىٰ الباز).

صحابہ کی تقلید نہ کرنے کی وجہ

علامہ نووی اسی بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

"وليس له التمذهب بمذهب أحد من أئمة الصحابة وغيرهم من الأولين وإن كانوا أعلم وأعلى درجةً ممن بعدهم؛ لأنهم لم يتفرغوا لتدوين العلم وضبط أصوله وفروعه، فليس لأحدٍ منهم مذهب مهذب محرر مقرر، وإنما قام بذلك من جاء بعدهم من الأئمة الناحلين لمذاهب الصحابة والتابعين القائمين بتمهيد أحكام الوقائع قبل وقوعها الناهضين بإيضاح أصولها وفروعها كمالك وأبي حنيفة وغيرهما"(١).

''اکابرین صحابہ وغیرہ اگر چہ بعد والوں سے علم وعمل میں بہت آگے ہیں لیکن پھر بھی کسی کے لئے جائز نہیں کہ صحابہ کرام کے مذہب کو اپنائے، کیونکہ صحابہ کرام کو اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے مذہب کو مدون کرتے اور اس کے اصول وفروع کو محفوظ کرتے، اسی وجہ سے صحابہ میں سے کسی بھی صحابی کا مذہب مدون ومنقح نہیں، ہاں بعد میں آنے والے آئمہ امام مالک، امام ابوحنیفہ وغیرہ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور باقاعدہ مذاہب مدون کر کے ان کے اصول وفروع کو محفوظ کیا اور مسائل کے وقوع سے پہلے ان کا حل تلاش کیا''۔

نیا مذہب بنانا جائز نہیں

براہِ راست قرآن وحدیث سے اخذ کر کے کسی کو نیا مذہب اختیار کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ علوم وفنون پر پختہ دسترس نہ رکھنے والا ایک دو حدیثوں کو دیکھ کر کوئی رائے قائم کرے گا، مثلاً: بول قائماً کی حدیث دیکھ کر کہے گا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا سنت ہے، وضوءمما غیرت النار کی حدیث دیکھ کر حکم لگائے گا کہ گوشت کھانے کے بعد وضو کرنا چاہیے وغیرہ۔ اسی لئے کسی کو اجازت نہیں کہ نیا مذہب بنائے بلکہ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کو اختیار کرے۔ اگر کوئی اپنے علم کے زور پر دعویٰ کرے کہ یہ باتیں عوام کے لئے ہیں اور میں مجتہد ہوں، مجتہد کے لئے تقلید مطلق جائز نہیں۔ میں اپنا مذہب بناتا ہوں تو اس کا جواب علامہ ابن خلدون

(١) (شرح المهذب: ١/٨٨، فصل في آداب المستفتي، دار الفكر).

نے کافی پہلے دیا ہے۔

"ومدعی الاجتهاد لهٰذا العهد مردود علی عقبه ومهجور تقلیده، وقد صار أهل الإسلام الیوم علی تقلید هؤلاء الأئمة الأربعة"(۱).

''اس زمانے میں جو بھی دعویٰ اجتہاد کرے گا اس کا دعوی نا قابل قبول ہوگا اور نہ ہی اس کی تقلید کی جائے گی کیونکہ اب اہل اسلام صرف آئمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں''۔

فرماتے ہیں اہل اسلام تو آئمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں، اگر تقلید شرک و بدعت ہے تو اہل اسلام سب کے سب مشرک و بدعتی ؟؟

مذاہب اربعہ سے اعراض میں فتنہ وفساد ہے

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:"اعلم أن فی الأخذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحةً عظیمةً، وفی الإعراض عنها مفسدةً کبیرةً"(۲).

دین نام ہی اطاعت کا ہے کہ اللہ اور اللہ کا رسول جو کچھ کہے اسے قبول کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے، جہاں خواہش غالب اور احکام خداوندی کی تکمیل مغلوب ہو وہ دین نہیں، اور مذاہب اربعہ کو چھوڑنے میں نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے، مثلاً: غصے میں تین طلاقیں دے دیں آئمہ اربعہ کے نزدیک تینوں واقع ہوگئیں، لہٰذا غیر مقلدیت اختیار کر لی اور تین ایک ہے کا فتویٰ حاصل کرلیا، یہاں ترجیح اتباع نفس کی وجہ سے ہے، دین تابع اور نفس متبوع۔

اسی طرح سرد علاقے میں وضو کرنا دشوار ہے، حنفیہ کے نزدیک خون نکلنا ناقض وضو ہے، لہٰذا مذہب شافعی کو ترجیح دی کہ وضو نہیں ٹوٹا، پھر مس المرأۃ کا تحقق ہوا شوافع کے نزدیک وضو ٹوٹ گیا، لہٰذا حنفیت کو اختیار کیا۔

چوری میں ہاتھ کٹنے کا مسئلہ ہے اپنا رشتہ دار تھا تو حنفیت کو اختیار کیا کہ نصاب قطع دس درھم ہیں، کسی دشمن نے چوری کی تو مالکی مذہب راجح نظر آیا۔ وقس علیہ البواقی۔ نفس تو رُخص تلاش کرتا ہے جب کسی مذہب معین

---

(۱) (مقدمه ابن خلدون، الفصل السابع فی علم الفقه: ۱/۴۴۸، مؤسسة الأعلمی، بیروت).

(۲) (عقد الجید: ۵۳، قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانه، کراچی).

کا پابند نہیں ہوگا تو پھر دین، دین نہیں رہے گا۔

مذاہب اربعہ کی تقلید سواد اعظم کی تقلید ہے

اگر علماء کے اختلاف سے پریشان ہے کوئی ایک بات کہتا ہو تو دوسرا اس کے خلاف کوئی اور حکم دیتا ہے تو اس طریقے پر عمل پیرا ہو جس پر مومنین کی اکثریت عمل پیرا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

"ولما اندرست مذاهب الحقة إلا هذه الأربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الأعظم"(۱).

''جب باقی مذاہب حقہ ناپید اور ختم ہو گئے اور یہی مذاہب اربعہ باقی ہیں تو ان کی اتباع ہی سواد اعظم کی اتباع ہے''۔

سواد اعظم جب تقلید کی قائل ہے تو پھر تقلید کو شرکت و بدعت قرار دینا پوری امت کو مشرک و متبدع قرار دینا ہے جو کہ منصوصات کے خلاف ہے۔

تقلید سے مفر نہیں

عامی کے لئے تو تقلید کرنا ویسے ہی لازم ہے لیکن اگر بڑا عالم ہے مگر اجتہاد کی صلاحیت نہیں تو اسے بھی تقلید کرنا ہوگی۔

علامہ آمدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"العامي ومن ليس له أهلية الاجتهاد وإن كان محصلاً لبعض العلوم المعتبرة في الاجتهاد يلزمه إتباع قول المجتهد"(۲).

''علوم دینیہ سے نابلد اور وہ شخص جس نے علوم دینیہ تو حاصل کئے لیکن اس میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں ان پر مجتہد کا اتباع لازم ہے''۔

(۱) (عقد الجيد: ٥،٦، قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانه، کراچی).

(۲) (الإحكام في أصول الأحكام، المسئلة الثانية: ٤/١٩٧، مؤسسة الحلبي، القاهرة).

"كذلك من لم يبلغ درجة الاجتهاد وإن كان محصلاً لبعض العلوم المعتبرة يلزمه اتباع قول مجتهد من المجتهدين والأخذ بفتواه"(١).

''جس عالم کی رسائی درجہ اجتہاد تک نہ ہو اگرچہ وہ بعض علوم کی ابجد سے واقف ہے پھر بھی کسی مجتہد کی تقلید اس پر لازم ہے''۔

اکابرین امت بھی مقلد تھے

امام بیہقی جیسا محدث جب مقلد ہے تو آج کل کے محققین کیسے اپنے کو تقلید سے مستغنی سمجھتے ہیں؟

"وأما البيهقي فكان على مذهب الشافعي منتصراً له في عامة أقواله"(٢).

''امام بیہقی شافعی المذہب تھے اور امام شافعی کے عام اقوال میں ان کی طرف سے دفاع کرتے تھے''۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ ان مقلدین کے نام گنواتے ہیں جو اصحاب علم وفضل ہونے کے باوجود تقلید سے مستغنی نہیں:

"وبعدهم أصحاب مالك كعبد الله بن وهب وعثمان بن كنانة وأشهب وابن عبدالحكم ، ثم غلب عليهم تقليد مالك وتقليد الشافعي"(٣).

امام ابوداؤد محدث عظیم ہونے کے باوجود امام احمد حنبل سے تعلق رکھتے ہیں:

"ومنهم من له اختصاص ببعض الأئمة كاختصاص أبي داؤد ونحوه بأحمد بن حنبل"(٤).

''بعض محدثین کا آئمہ سے خاص تعلق ،لگاؤ ہے جیسے امام ابوداؤد کو امام احمد بن حنبل سے خاص لگاؤ تھا''۔

(١) (اتحاف ذوى البصائر : ٦٣٠).

(٢) (مجموعة الفتاوى: ٢٦/٢٠، مكتبة العبيكان).

(٣) (إعلام الموقعين ، فقهاء مصر : ٢٢/١، دارالكتب العلمية بيروت).

(٤) (مجموعة الفتاوى: ٢٥/٢٠، مكتبة العبيكان).

مجتہد کے لئے تقلید کا حکم

مجتہد کے لئے تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مشہور ہے کہ لا یقلد مجتهدٌ مجتهداً، امام الحرمین اور دیگر علماء نے بھی اسے اختیار کیا لیکن یہ صرف ان مسائل کے متعلق ہے جن تک مجتہد کی رسائی ہوئی ہے اور جن مسائل میں مجتہد کما حقہ تحقیق نہ کر سکا تو ان میں کسی اور مجتہد کی تقلید جائز ہے، امام مالک مجتہد ہیں لیکن ایک دفعہ چالیس مسئلے پوچھے گئے تو صرف چار کا جواب دیا اور چھتیس کے بارے میں فرمایا: "لا أدری". لہٰذا ایسے مسائل میں کسی اور مجتہد کی تقلید جائز ہے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"فأما القادر على الاجتهاد فهل يجوز له التقليد؟ هذا فيه خلاف، والصحيح أنه يجوز حيث عجز عن الاجتهاد"(١).

''جس عالم کی رسائی درجہ اجتہاد تک ہو، اس کے لئے تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، صحیح قول یہ ہے کہ جس مسئلہ میں وہ اجتہاد سے عاجز ہو جائے اس میں کسی کی تقلید کر سکتا ہے''۔

اتباع نفس جائز نہیں

اتباع نفس اور خواہشات کی پیروی حرام ہے اور حرام کی ضد واجب ہے اور یہ واجب عادۃً تقلید شخصی پر موقوف ہے اور مسلم قاعدہ ہے کہ ما یتوقف علیه الواجب فهو واجب، لہٰذا تقلید شخصی واجب ہے۔

نیز جب غیر مقلدین کے اکابر تقلید مطلق کو تسلیم کرتے ہیں تو مطلق من حیث أنه مطلق کا کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ مطلق کا وجود خارج میں افراد کے ضمن میں ہوتا ہے، اس لئے کسی نہ کسی کی تقلید کرنی ہوگی اور خارج میں کوئی متبع ہوگا اور آپ متبع، لہٰذا تقلید شخصی پھر بھی متحقق ہو جائے گی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اسی ایک کی تقلید کرو خواہشات پر عمل نہ کرو کہ اپنی مرضی کے مطابق ایک حکم مذہب شافعی سے تو دوسرا حنبلی سے لیا، کیونکہ یہ بھی جائز نہیں۔

(١) (مجموعة الفتاوى: ١١٣/٢٠، مكتبة العبيكان).

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فيكونون في وقت يقلدون من يفسده، وفي وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض والهوى، ومثل هذا لايجوز باتفاق الأئمة"(۱).

اس کو تتبع رخص کہا جاتا ہے جو کہ حرام ہے کیونکہ دین تابعداری وفرمانبرداری کا نام ہے، اس میں مرضی کا دخل نہیں اور یہ آزادی تقلید شخصی نہ ہونے کی وجہ سے ہے، اس لئے کسی ایک امام کے مسلک کا پابند کیا جائے گا۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی آزادی کے مفاسد کو بیان فرماتے ہیں:

"لأن ذلك يفتح باب التلاعب بالدين وفتح للذريعة إلى أن يكون التحليل والتحريم بحسب الهوى"(۲).

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لوجاز اتباع أي مذهب شاء لأفضى إلى أن يلتقط رخص المذاهب متبعاً هواه، ويتخير بين التحليل والتحريم والواجب والجواز، وذلك يؤدي إلى انحلال ربقة التكليف بخلاف العصر الأول؛ فإنه لم تكن المذاهب الوافية بأحكام الحوادث مهذبة، فعلى هذا يلزمه أن يجتهد في اختيار مذهب يقلده على التعيين"(۳).

''اگر یہ جائز ہوتا کہ جس مذہب کی تقلید کرنی ہے کر سکتے ہیں، تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ نفس وخواہشات کی پیروی میں مختلف مذاہب سے رخصتوں کو تلاش کیا جاتا، تحلیل وتحریم، واجب وجائز میں جو دل کو بھاتا اسی کو اختیار کیا جاتا تو اس طرح شریعت کی پابندی سے بھی آزادی مل جاتی، صحابہ وتابعین کے زمانے میں ایک امام کی تقلید موجودہ شکل میں اس لئے نہیں تھی کہ اس وقت مذاہب پوری طرح منقح نہیں تھے، اب جب کہ مذاہب واضح ومنقح ہوگئے اور ماقبل میں ذکر کئے گئے خطرات بھی موجود ہیں اس لئے غیر مجتہد کے لئے لازم

(۱) (مجموعة الفتاوى: ۳۲/٦٦، مكتبة العبيكان).

(۲) (أيضاً).

(۳) (شرح المهذب، فصل في آداب المستفتي: ۱/۸۸، دار الفكر بيروت).

ہے کہ کسی مذہب معین کی پیروی کرے''۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومتی خيرنا المقلدين فی مذاهب الأئمة لينتقوا منها أطيبها عندهم لم يبق مرجع إلا اتباع الشهوات فی الاختيار ، وهذا مناقض لمقصدوضع الشريعة"(١).

''اگر مقلدین کو یہ اختیار ملتا کہ آئمہ کے مذاہب میں سے جس مسئلے کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں تو اس کا حاصل سوائے نفس و خواہشات کی پیروی کے کچھ نہ ہوتا اور یہ مقاصد شرع کے خلاف ہے''۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إن مثل هذه الا لتزامات لكف الناس عن تتبع الرخص"(٢).

''ایک امام کی تقلید لازم ہے، اس قسم کی پابندیاں اس لئے لگائی گئیں تا کہ لوگ نفس و خواہشات کی پیروی میں رُخص تلاش نہ کرتے پھریں''۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقد حكى ابن حزم الإجماع على أن ذلك [أی تتبع الرخص فی المذاهب] فسق لا يحل"(٣).

''علامہ ابن حزم نے اجماع نقل کیا ہے کہ مذہب میں رُخص تلاش کرنا فسق ہے جو کسی صورت جائز نہیں''۔

خلاصہ کلام جب عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ تتبع رخص حرام ہے اور اس کا دروازہ تقلید شخصی سے ہی بند ہوگا، اس لئے تقلید شخصی واجب ہوگی کیونکہ قاعدہ ہے اور علامہ ابن تیمیہ نے اس قاعدے کو بکثرت استعمال کیا

(١) (الموافقات : ٤/٨٢، المسألة الثالثه فی بيان أن الشريعة كلها ترجع إلى أقوالٍ واحدةٍ فی الفروع، مكتبة محمد علی صبيح أزهر).

(٢) (فيض القدير: ١/٤٠٣، مكتبة نزار مصطفى الباز).

(٣) (الموافقات: ٤/٨٤، المسألة الثالثه، مكتبه محمد علی صبيح أزهر).

ہے:إیجاب الشيء یوجب تحریم ضده، وتحریم الشيء یوجب إیجاب ضده. اگر کوئی چیز واجب ہو تو جانب مخالف میں وہ حرمت کو ثابت کرے گی جیسا کہ اقامۃ الصلوۃ اور ایتاء الزکوۃ فرض ہے تو جانب مخالف ترک صلوۃ وعدم ایتاء الزکوۃ حرام ہے اور جہاں کوئی چیز حرام ہو تو جانب مخالف میں وہ وجوب کو ثابت کرے گی۔ ﴿لاتقربوا الزنی﴾ زنا حرام ہے لأن النهي یقتضي حرمة المنهي عنه جانب مخالف ترک زنا واجب ہے، شرک منہی عنہ ہے تو جانب مخالف توحید واجب ہے، تتبع رخص حرام ہے، لہذا ترک تتبع رخص واجب ہے اور ترک تتبع رخص عادۃً بغیر تقلید شخصی حاصل نہیں ہوگا، ایک امام آپ کو پابند رکھے گا، اسی لئے تقلید شخصی کو واجب کہا جاتا ہے۔

فروعات میں منع تقلید کا وبال

چلو مان لیا کہ تقلید شخصی واجب نہیں ہر ایک خود تحقیق کرے اور مجتہد بن جائے تو آپ بتائیں کہ غیر مقلدین میں اب تک کتنے مجتہدین گزرے ہیں؟ غیر مقلدین ڈرتے ہیں اور اپنے کسی مجتہد کا نام نہیں لیتے، یا پھر سب کو کہا جائے کہ دنیاوی کاروبار وغیرہ چھوڑ کر مدرسوں میں پڑھو اور خود تحقیق کرو، علامہ خطیب بغدادی نے بہت اچھے انداز میں اسے بیان فرمایا:

"لو منعنا التقلید في هذه المسائل التي هي من فروع الدین لا حتاج کل أحدٍ أن یتعلم ذلك، وفي إیجابه قطع عن المعایش وهلاك الحرث والماشیة، فوجب أن یسقط"(۱).

''اگر ان فروعات میں تقلید سے روکا جائے تو اس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ ہر ایک پر تمام مسائل کا علم حاصل کرنا لازم ہوگا، اور اس میں نظام زندگی معطل ہو جائے گا (کیونکہ جب سب علم حاصل کرنے لگ جائیں تو باقی کام کون سنبھالے گا) لہٰذا یہ بات ہی درست نہیں کہ فروعات میں تقلید سے روکا جائے''۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وأما التقلید في الفروع فهو جائز إجماعاً فکانت الحجة فیه الإجماع، ولأن المجتهد

(۱) (الفقیه والمتفقه، باب الکلام في التقلید ومایسوغ منه ومالا یسوغ: ۶۸/۲، عباس أحمد الباز مکة).

فی الفروع إما مصیب وإما مخطئ مثاب غیر مأثوم بخلاف ماذکرناه، فلهذا جاز التقلید فیها بل وجب علی العامی ذلك، وذهب بعض القدریة إلی أن العامة یلزمهم النظر فی الدلیل فی الفروع أیضاً وهو باطل بإجماع الصحابة؛ فإنهم کانوا یفتون العامة ولا یأمرونهم بنیل درجة الاجتهاد، وذلك معلوم علی الضرورة والتواتر من علمائهم وعوامهم، ولأن الإجماع منعقد علی تکلیف العامی الاحکام، وتکلیفه رتبة الاجتهاد یؤدی إلی انقطاع الحرث والنسل وتعطیل الحرف والصنائع، فیؤدی إلی خراب الدنیا، ثم ماذا یصنع العامی إذا نزلت به حادثة إن لم یثبت لها حکم إلی أن یبلغ رتبة الاجتهاد فإلی متی یصیر مجتهداً، ولعله لایبلغ ذلك أبداً، فتضیع الأحکام، فلم یبق إلا سوال العلماء، وقد أمر الله تعالی سوال العلماء فی قوله تعالی: ﴿فاسئلوا أهل الذکر إن کنتم لاتعلمون﴾ قال أبو الخطاب: ولا یجوز التقلید فی أرکان الاسلام الخمسة ونحوها مما اشتهر ونقل نقلاً متواتراً؛ لأن العامة شارکوا العلماء فی ذلك فلا وجه للتقلید"(۱).

غیر مقلدین کے اعتراضات

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے.

﴿اتبعوا ماأنزل إلیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه أولیاء﴾ [الأعراف: ۳].

''تم لوگ اس کتاب کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو''۔

ماأنزل کا اتباع کرو اور یہ صرف دو چیزیں ہیں: قرآن، حدیث۔ ان کے علاوہ کسی کا اتباع نہ کرو۔

جواب یہ ہے کہ اتباع اور تقلید دونوں ایک ہیں اور ان میں اتحاد ہے یا دونوں الگ الگ ہیں؟ اگر آپ اتحاد کے قائل ہیں تو آپ لامذہب اور مذہب غیر مقلدیت سے خارج ہوگئے، اس لئے کہ کسی بھی غیر مقلد نے ان کو متحد شمار نہیں کیا۔ اگر آپ ان کے تباین کے قائل ہیں کہ اتباع الگ اور تقلید الگ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ آیت میں اتباع کی نفی ہے لاتتبعوا تقلید کی نفی نہیں لا تقلدوا "ونفی أحد المتغایرین لا یستلزم نفی الآخر".

(۱) (روضة الناظر وجنة المناظر: ۲۰۶، أحمد الباز مکة)

اسی طرح "لاتتبعوا" نہی از قبیل حکم ہے یا دلیل، حکم اور دلیل میں فرق ہوتا ہے۔ أقیموا الصلوة حکم ہے، دلیل أقیموا الصلوة!! اتوا الزکوة حکم اور دلیل أتوا الزکوة !! أقیموا الصلوة حکم بھی۔ اور دلیل بھی یہ کس نے کہا؟ لہٰذا "لاتتبعوا" تو نہی ہے اور نہی از قبیل احکام ہے، اسے آپ کس طرح دلیل بناتے ہیں۔

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں احکام زیادہ اور دلائل کم ہیں۔ اب اس بات کو متعین کرنا کہ یہ حکم ہے یا دلیل، مجتہد کا کام ہے اور آپ جیسوں کو ہم مجتہد تسلیم نہیں کرتے۔

"ماأنزل" ماموصولہ ہے: سواء کان جلیاً أو خفیاً أی: الکتاب والسنة، اگلا جملہ اس کا صلہ ہے اور قاعدہ ہے کہ صلہ میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو موصول کی طرف لوٹے، آیت میں ضمیر "من دونه" کی "ه" ضمیر ہے جو اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اب آپ یہ بتائیں کہ "من دونه" میں حصر حقیقی ہے یا حصر اضافی؟ اگر حصر حقیقی مراد لیں کہ سوائے ماأنزل کے کسی کا اتباع نہ کرو تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "ماأنزل" میں داخل نہیں، لہٰذا آپ کی ذات کا بھی اتباع نہیں ہوگا، حالانکہ ارشاد ربانی ہے: ﴿قل إن کنتم تحبون الله فاتبعونی﴾ أی: ذات محمد. [آل عمران: ۳۱]. اسی طرح صحابہ کرام کے اتباع کی بھی نفی ہو جائے گی، جس کے قائل شاید آپ بھی نہ ہوں۔

اگر حصر اضافی ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا ماأنزل کو لے لو اور غیر ماأنزل کو ترک کردو، اس سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع کی نفی نہیں ہوگی، اسی طرح کسی امام ھدی کے اتباع کی نفی بھی نہ ہوگی۔ لہٰذا اس آیت کو رد تقلید میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا اعتراض

مقلدین کفار کی طرح قرآن وسنت کو پس پشت ڈال کر آئمہ کی بات مانتے ہیں: ﴿وإذا قیل لهم اتبعوا ماأنزل الله قالوا بل نتبع ما ألفینا علیه آباء نا أو لو کان ابآء هم لایعقلون شیأً ولا یهتدون﴾. [البقرة: ۱۷۰].

"جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کا اتباع کرو تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے حکم نہیں مانتے بلکہ ہم اس رسم کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا کیا یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کا اتباع کریں گے اگر چہ وہ عقل رکھتے ہوں اور نہ

ہدایت یافتہ ہوں''۔

جواب یہ ہے کہ کفار کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ حق کے مقابلے میں خودساختہ رسومات اور دین آباء کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ ان کے آباء واجداد خود راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ یہاں پر "لو" وصلیہ ہے اور "لو" وصلیہ حال بنتا ہے جیسے ﴿أینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة﴾ [النساء: ۷۸]. أی: حال کونکم کائنین فی بروج مشیدة. اسی طرح یہاں بھی ہے: أیتبعون اباء ھم حال کون ابائھم غیر عاقلین ولامھتدین"۔

یہاں بھی اتباع آباء کی مذمت ہے نہ کہ تقلید آباء کی، اگر آپ اسے مذمت تقلید پر پیش کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ تقلید واتباع کو ایک سمجھتے ہیں، جب کہ غیر مقلدین کا یہ مذہب نہیں، آپ نے غیر مقلدیت چھوڑنے میں کس کا اتباع کیا؟ نیز اس بات سے ہمارا مدعا ثابت ہوگا کہ اتباع وتقلید ایک ہی چیز ہے۔ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ آپ، کا مذہب (مغایرت تقلید واتباع) بالدلیل ہے یا بلا دلیل؟ اگر بلا دلیل ہے تو جو وعید آپ مقلدین پر چسپاں کرتے ہیں وہ آپ پر بھی صادق آتی ہے، اگر بالدلیل ہے تو آپ نے غیر مقلدیت کیوں چھوڑی؟ اسی طرح جب اس ایک مسئلے میں آپ نے ہمارا مذہب قبول کرلیا تو باقی مسائل تقلیدیہ میں بھی آپ کو لیت ولعل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

اگر ہمارا مذہب غلط اور آپ کا مذہب (مغایریت اتباع وتقلید) درست تو پھر یہ واضح کریں کہ آیت میں متبعین کی مذمت ہے یا مقلدین کی؟ اور ظاہر ہے کہ آیت میں ''اتباع'' کی مذمت کو بیان کیا گیا ہے، اس سے تقلید کی مذمت کیسے ثابت ہوگی؟ اس لئے تغایر والی بات درست نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ تقلید واتباع دونوں میں اتحاد ہے یہی وجہ ہے کہ مفسرین اسی مقام پر تقلید کی بحث کو چھیڑتے ہیں اور آیت مذکورہ میں اتباع مذموم کی مذمت ہے جسے ہم بھی مذموم کہتے ہیں۔ جس طرح تقلید کی دو قسمیں ہیں: تقلید محمود اور تقلید مذموم، اسی طرح اتباع کی بھی دو قسمیں ہیں: اتباع محمود اور اتباع مذموم۔

اتباع مذموم جیسے مذکورہ آیت اور ﴿ومن یتبع خطوٰت الشیطٰن﴾ [النور: ۲۱]. اور اتباع محمود جیسے اتباع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اتباع الصحابة ﴿قل إن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی﴾ [آل عمران: ۳۱]. ﴿والذین اتبعوھم بإحسان﴾ [التوبة: ۱۰۰].

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وفی هذه الآية رد على التقليد المذموم أی: تقليد الآباء فی المعصية واتباع الهوى بمقابلة القرآن والسنة، وأمّا تقليد المجتهد فهو ليس بمذموم بل محمود؛ لأنه تقليد فی الحق، والتقليد فی الحق، أصل من أصول الدين"(۱).

''اس آیت میں تقلید مذموم پر رد کیا گیا ہے، تقلید مذموم جیسے معصیت میں آباء و اجداد کی پیروی کرنا، قرآن وسنت کے مقابلے میں خواہشات کی پیروی کرنا وغیرہ، جہاں تک تقلید مجتہد کا مسئلہ ہے تو وہ مذموم نہیں بلکہ تقلید محمود ہے کیونکہ تقلید مجتہد حق میں تقلید ہے اور حق میں تقلید کرنا دین کے اصولوں میں سے ہے''۔

علامہ شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"صرح العلماء بأن التقليد واجب على العامی؛ لئلا يضل فی دينه والله أعلم. فقد بان لك يا أخی مما نقلناه عن الأئمة الأربعة وغيرهم أن جميع الأئمة المجتهدين دائرون مع أدلة الشريعة حيث دارت، وأنهم كلهم منزهون عن القول بالرأی فی دين الله، وأن مذاهبهم كلها محررةٌ على الكتاب والسنة كتحرير الذهب والجوهر"(۲).

اس آیت میں اس شخص پر رد ہے جس کا قول قرآن وسنت سے ہٹ کر ان کے مخالف ہو، رہا مسئلہ آئمہ مجتہدین کا تو ان کی حالت اس قسم کی نہیں وہ اس میں داخل نہیں۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما اتباع الغير فی الدين إذا علم بدليل ما أنه محق كالأنبياء والمجتهدين فی الأحكام، فهو فی الحقيقة ليس بتقليد مذموم بل اتباع مما أنزل الله تعالى"(۳).

''جب کسی کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ حق پر ہے جیسے انبیاء وآئمہ مجتہدین تو

(۱) (كذا فی الجامع لأحكام القرآن: ۱٤۱/۲، إحياء التراث العربی).

دینی معاملات میں ان کا اتباع تقلید مذموم نہیں بلکہ اللہ کے احکامات کی پیروی ہے''۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اتباع الغير في الدين بعد العلم بدليل ما أنه محق اتباع في الحقيقة لما أنزل الله تعالى، وليس من التقليد المذموم بشئ"(١).

''دینی معاملات میں کسی کا اتباع کرنا جب کہ اس کے حق پر ہونے کا علم بھی ہو درحقیقت اللہ کے احکامات کی پیروی کرنا ہے، تقلید مذموم کا اس سے کوئی ربط و جوڑ نہیں''۔

علامہ ابن تیمیہ تقلید مذموم کی وضاحت کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"فهذا الاتباع والتقليد التي ذمه الله هو اتباع الهوى"(٢).

''اللہ رب العزت نے جس اتباع وتقلید کی مذمت کی ہے وہ خواہشات کی پیروی کرنا ہے''۔

نیز فرماتے ہیں:

"فكل من عدل عن اتباع الكتاب والسنة وطاعة الله والرسول إلى عادته وعادته أبيه وقومه فهو من أهل الجاهلية المستحقين للوعيد، وكذلك من تبين له في مسئلة من المسائل الحق الذي بعث الله به رسوله ثم عدل منه إلى عادته فهو من أهل الذم والعقاب، وأما من كان عاجزاً عن معرفة حكم الله ورسوله، وقد اتبع فيها من هو من أهل العلم والدين. ولم يتبين له أن قول غيره أرجح من قوله فهو محمود يثاب، لا يذم على ذلك ولا يعاقب"(٣).

''جو کوئی بھی قرآن وسنت اور اللہ ورسول کی اطاعت چھوڑ کر اپنے آباء واجداد اور قوم کے طور طریقوں کو اپنائے وہ اہل جاہلیت میں سے ہے جو سخت وعید کے مستحق ہیں، اسی طرح اگر کسی کے سامنے کسی مسئلہ میں حق واضح ہو جائے، اس کے باوجود وہ اپنی رسومات کو

(١) (روح المعاني: ٢/٥٩٩، رشيدية).
(٢) (مجموعة الفتاوى: ٢٠/١٣، مكتبة العبيكان).
(٣) (مجموعة الفتاوى: ٢٠/١٢٥، مكتبة العبيكان).

نہ چھوڑے تو وہ بھی مذمت وسزا کا مستحق ہے، البتہ جواز خود احکام شرع کی معرفت سے عاجز ہو اور اس میں وہ علماء کی اتباع کرے اور نہ ہی اسے معلوم ہو کہ کسی اور کا قول اس سے راجح ہے تو وہ قابل تعریف ولائق ثواب ہے، اس اتباع پر نہ اس کی مذمت کی جائے گی اور نہ ہی وہ باعث عتاب ہوگا''۔

حنفیہ وشافعیہ مقلدین اللہ ورسول کی اطاعت سے اعراض نہیں کرتے بلکہ وہ مجتہدین کے علم وتقویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی بیان کردہ تشریحات کو برحق جان کر ان کی اتباع کرتے ہیں اور مجتہدین کو شارع نہیں بلکہ شارح سمجھتے ہیں اور قرآن وسنت ہی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

تیسرا اعتراض

اعتراض کرتے ہیں کہ ''قواعد الفقہ'' اور اسی طرح ''اصول امام سرخسی'' میں ہے: ''قرآن وسنت اور امام کے قول میں تعارض ہو تو امام کے قول پر عمل کیا جائے گا''۔ یہ تو قرآن وسنت کا درجہ کم کر کے اماموں کا درجہ بڑھانا ہے۔

جواب

علمی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بات بھی نقل کی جائے اسے مکمل نقل کیا جائے، ادھوری بات نقل کرنا ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تقربوا الصلوة﴾. [النساء: ٤٣]. کو نقل کرنا اور ﴿وأنتم سكارى﴾ کو چھوڑ دینا سراسر غلط ہے۔ دراصل یہ قاعدہ عامی کے لئے ہے جو صاحب اجتہاد نہیں اور قرآن وسنت کی باریکیوں کو نہیں سمجھتا، ماہر فن اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس لئے کہ اگر ماہر فن کے سامنے یہ بات ظاہر ہو جائے کہ امام کا قول قرآن وسنت کے مخالف ہے تو اسے چاہیے کہ قرآن وسنت پر عمل کرے اور امام کے قول کو چھوڑ دے اور اس بات سے وہ حنفیت سے خارج نہیں ہوگا کیونکہ خود صاحب مذہب فرماتے ہیں: "إذا صح الحديث فهو مذهبي". اور علامہ ابن تیمیہ کا قول پہلے گزر گیا کہ من كان عاجزاً عن معرفة حكم الله الخ". عاجز اگر کسی کامل کی اتباع کرے تو وہ قابل تعریف ہے۔

چوتھا اعتراض

باوجودیکہ حنفیہ کہتے ہیں دلائل واضح ہونے کے بعد ماہرفن اگر قول امام کوخلاف حدیث پائے تو امام کے قول کو چھوڑ دے، حالانکہ ان کے ماہرفن حضرات جنہیں وہ شیخ الہند کے لقب سے ملقب کرتے ہیں یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ قول امام کمزور ہے پھربھی اسے اختیار کرتے ہیں، جیسا کہ ''تقریر ترمذی'' میں ہے: "الحق والإنصاف أن الترجيح للشافعي في هذه المسئلة ونحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبي حنيفة"(١).

''حق وانصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کے قول کو ترجیح دینی چاہیے لیکن چونکہ ہم مقلد ہیں، لہٰذا ہم پر اپنے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے''۔

جواب

اگرچہ ماہرین کو قول امام چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن شیخ الہند اپنے کو ماہرفن نہیں بلکہ عامی شمار کرتے ہیں، اسی لئے فرماتے ہیں، ہم امام صاحب کی تقلید کریں گے۔

نیز آپ کو شیخ الہند اور علامہ لکھنوی کے اقوال تو نظر آجاتے ہیں لیکن علامہ ابن ہمام اور علامہ زیلعی کے اقوال کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو فرماتے ہیں حنفیہ کا مسلک دلائل سے ثابت ہے۔

اگر آپ کو اس پر اطمینان نہیں تو چلیں ان مسائل کے بارے میں مناظرہ کرتے ہیں، کہ حنفیہ ان مسائل میں کمزور ہیں یا نہیں؟

دوسری دلیل

﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله﴾. [التوبة: ٣١].

''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا معبود بنالیا ہے''۔

کہتے ہیں کہ مقلدین بھی یہی کام کرتے ہیں، اپنے امام کو رب سمجھتے ہیں۔ تحلیل وتحریم اماموں کے ہاتھ میں ہے، جس چیز کو وہ حلال کہیں مقلدین بھی حلال کہتے ہیں جس کو وہ حرام کہیں مقلدین بھی اسے حرام

(١) (تقرير الترمذي لشيخ الهند: ١/٣٦، سعيد).

کہتے ہیں۔

جواب

یہ محض الزام ہے مقلدین آئمہ کو حلال وحرام بنانے والا نہیں بلکہ حلال وحرام بتانے والا سمجھتے ہیں۔ کسی کو کافر بنانا الگ چیز ہے اور کافر بتانا الگ چیز ہے۔ آئمہ صرف حکم لگاتے ہیں پہلے وہ حلال وحرام پردہ خفا میں ہوتا ہے اور بعد میں حکم ظاہر ہو جاتا ہے۔

نیز مذمت تقلید میں اس آیت کو پیش کرنا بایں طور بھی درست نہیں کہ آیت میں یہود پر رد ہے کہ وہ مخالف شرع امور میں اپنے علماء ودرویشوں کی اطاعت کرتے تھے، جب کہ تقلید مخالف شرع امور میں نہیں کی جاتی بلکہ تقلید تو مراد شارع سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے ہے، اور آئمہ مجتہدین کا درجہ صرف واسطے اور شارح کا ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وطاعةُ الله ورسوله وتحليلُ ماحلله الله ورسوله، وتحريمُ ماحرّمه الله ورسوله، وإيجابُ ماأوجبه الله تعالى ورسوله واجبٌ على جميع الثقلين الإنس والجن، واجب على كل أحد في كل حال سراً وعلانيةً لكن لما كان من الأحكام مالا يعرفه كثيرٌ من الناس، رجع الناس في ذلك إلى من يعلمهم ذلك؛ لأنه أعلم بما قاله الرسول وأعلم بمراده، فأئمة المسلمين الذين اتبعوهم وسائل وطرق بين الناس وبين الرسول يبلغونهم ماقاله ويفهمونهم مراده بحسب اجتهادهم واستطاعتهم"(۱).

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، اللہ اور اس کے رسول کی حلال کردہ اشیاء کو حلال اور حرام کردہ اشیاء کو حرام سمجھنا، اللہ اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو واجب بتلایا انہیں واجب سمجھنا، جن وانس ہر ایک پر ہر حال میں جلوت ہو یا خلوت واجب ہے، لیکن ان میں کئی احکام ایسے ہیں جنہیں عام لوگ نہیں جانتے تو وہ ان حضرات کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ان احکام کو بخوبی جانتے ہیں، لہٰذا آئمہ مسلمین جن کی اتباع کی جاتی ہے، وہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے اور اپنے اجتہاد

(۱) (مجموعة الفتاوى: ۲۰/۱۲٤، مكتبة العبيكان).

واستطاعت کے بل بوتے پر ان کی مراد سمجھانے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں''۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ آئمہ حلال وحرام بتانے کے وسائل اور ذرائع ہیں نہ کہ حلال وحرام بنانے والے، اس لئے کہ آئمہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد کو بہتر طریقے سے جانتے ہیں۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إذا ثبت أن الحق هو المعتبر دون الرجال، فالحق أيضاً لايعرف دون وسائطهم بل بهم يتوصل إليه، وهم الأدلاء على طريقه"(۱).

''اگرچہ اعتبار حق بات کا ہوتا ہے اشخاص کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن حق کی پہچان بلاواسطہ اشخاص نہیں ہوتی کیونکہ اشخاص ہی حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں''۔

آئمہ کی اطاعت مستقل طور پر نہیں کی جاتی بلکہ ان کی اطاعت تبعاً کی جاتی ہے۔ من حيث أنهم أدلاء على طريق الحق.

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"إنما يجب على الناس طاعة الله ورسوله، وهولاء أولوا الأمر الذين أمر الله بطاعتهم إنما يجب طاعتهم تبعاً لله ولرسوله لااستقلالاً"(۲).

حدیث عدی بن حاتم

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی پیش کرتے ہیں:

" حدثنا حسين بن يزيد الكوفي، قال حدثنا عبدالسلام بن حرب، عن غطيف بن أعين، عن مصعب بن سعد، عن عدى بن حاتم رضى الله عنه قال: أتيت النبى صلى الله تعالى عليه وسلم، وفى عنقى صليب من ذهب، فقال: ياعدى! اطرح عنك هذا الوثن، وسمعته يقرأ فى سورة البرأة: ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله﴾ فقال: أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم، ولكنهم كانوا إذا أحلوا لهم شيأ استحلوه، وإذا احرموا عليهم شيأ حرّموه". هذا

(۱) (الاعتصام للشاطبى، الباب العاشر فى بيان معنى الصراط المستقيم، ص: ٥٩٥، دار المعرفة).

(۲) (مجموعة الفتاوى: ۱۱٦/۲۰، مكتبة العبيكان).

حديث حسن غريب لا نعرفه إلا من حديث عبدالسلام بن حرب. وغطيف بن أعين ليس بمعروف في الحديث"(۱).

''حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس حال میں کہ سونے کی صلیب میرے گلے میں لٹک رہی تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عدی! اس بت کو اتار پھینکو، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورۃ البرأۃ کی یہ آیات تلاوت کرتے سنا ﴿اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله﴾ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن ان کی حلال کردہ اشیاء کو حلال اور حرام کردہ اشیاء کو حرام سمجھتے تھے (اسی وجہ سے ان پر عبادت کرنے کا اطلاق کیا گیا)۔

یہ حدیث حسن غریب ہے، عبدالسلام بن حرب کی سند کے علاوہ کوئی دوسری سند ہمارے علم میں نہیں اور اس سند میں غطیف بن اعین ہیں جو روایت حدیث کے سلسلے میں معروف نہیں''۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کی سند پر کلام ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"[غطيف بن أعين] روى له الترمذي حديثاً واحداً، وقال: ليس بمعروف في الحديث قلت: وضعفه الدار قطني"(۲).

''غطیف ابن اعین: امام ترمذی نے ان کی روایت کردہ ایک حدیث نقل کی اور کہا کہ روایت حدیث کے سلسلے میں معروف نہیں ہیں، دارقطنی نے بھی انہیں ضعیف کہا''۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ سے اعراض کر کے احبار و رہبان کی باتوں کو مانا جائے اور اس کی ہم بھی مذمت کرتے ہیں۔

---

(۱) (جامع الترمذي، كتاب التفسير، سورة التوبة: ۲/۱٤۰، سعيد).

(۲) (تهذيب التهذيب: ۸/۲۵۱، دار صادر بيروت).

علامہ فخر الدینؒ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قال الربیع: قلت لأبی العالیة: کیف کانت تلك الربوبیة فی بنی إسرائیل؟ فقال: إنهم ربما وجدوا فی کتاب اللہ مایخالف أقوال الأحبار والرهبان، فکانوا یأخذون بأقوالهم، وما کانوا یقبلون حکم کتاب اللہ"(١).

''ربیع کہتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے پوچھا''بنی اسرائیل کس طرح غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے''؟ ابوالعالیہ نے جواب دیا: جب انہیں توراۃ میں کوئی ایسی بات ملتی جوان کے علماء ودرویش کی بات کے خلاف ہوتی تو وہ اپنے علماء ودرویشوں کی بات لیتے اور توراۃ کو پس پشت ڈالتے تھے''۔

جب کہ تقلید کا تعلق مسائل غیر منصوصہ اور منصوصہ متعارض فیہا سے ہے۔ آئمہ مسائل غیر منصوصہ کا حکم بتاتے ہیں اور ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔ کتاب اللہ کی مخالفت تب ہوگی جب وہ حکم کتاب اللہ میں موجود ہو، جب وہ حکم قرآن وسنت میں ہے ہی نہیں تو خلاف کیسے؟ علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے گزرا کہ''امام تو اللہ اور اس کے رسول کا حکم بتانے میں واسطہ اور ذریعہ ہوتا ہے'' نہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف حکم بتائے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما تقلید من بذل جهده فی اتباع ماأنزل اللہ تعالیٰ، وخفی علیه بعضه، وقلده فیه من هو أعلم منه فهذا محمود غیر مذموم ومأجور غیر مأذور"(٢).

''جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کی پیروی میں حد درجہ کوشش کرے پھر بھی بعض احکام اس کی سمجھ سے بالاتر ہوں اور وہ ان احکام کی معرفت حاصل کرنے میں اپنے سے زیادہ جاننے والے کی تقلید کرے تو یہ شخص قابل تعریف اور لائق ثواب ہے نہ کہ قابل مذمت اور لائق گناہ''۔

(١) (تفسیر کبیر: ١٠ /٣٧، دار الکتب العلمیة مصر)

(٢) (إعلام الموقعین: ٢ /١٣٠، دار الکتب العلمیة)

پانچواں اعتراض

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں:

"عن جابر بن عبداللہ، قال: کنا عندالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فخط خطاً، وخط خطین عن یمینہ وخط خطین عن یسارہ، ثم وضع یدہ فی الخط الأوسط، فقال: ھذا سبیل اللہ، ثم تلا ھذہ الأیة: ﴿وأن ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ﴾(۱).

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درمیان میں ایک لکیر کھینچی، دو لکیریں اس کی داہنی جانب اور دو لکیریں بائنی جانب کھینچیں، اور درمیانی لکیر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وأن ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ﴾.

استدلال کا طریقہ ہے کہ درمیانی خط اہل حدیث کا ہے اور اردگرد والے خطوط حنفیت، شافعیت، حنبلیت اور مالکیت پر دال ہیں، لہٰذا اہل حدیث کے مسلک پر عمل کرو اور باقی چھوڑ دو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

جواب

مذکورہ حدیث سنداً متکلم فیہ ہے اس میں مجالد بن سعید پر کلام کیا گیا ہے:

"روی عن الشعبی، وعنہ ابنہ اسمعیل وأبو خالد الأحمر، قال البخاری: کان یحی بن سعید یضعفہ. وکان ابن مھدی لایزوی عنہ، وکان أحمد بن حنبل لایراہ شیأ، وقال ابن مدینی: قلت یحی بن سعید مجالد قال فی نفسی شیٔ"(۲).

''مجالد بن سعید: شعبی سے روایت کرتے ہیں اور ان کے صاحبزادے اسمعیل اور ابو خالد احمران سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ یحیی بن

(۱) (سنن ابن ماجہ: ۳، باب اتباع سنة رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قدیمی).

(۲) (تہذیب التہذیب: ۱۰/۳۹-۴۰، دار صادر، بیروت).

سعید انہیں ضعیف قرار دیتے تھے، اور ابن مہدی ان سے روایت نہیں نقل کرتے تھے، امام احمد بن حنبل کے ہاں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی، ابن مدینی فرماتے ہیں: میں نے یحیی بن سعید کے سامنے مجالد کا تذکرہ کیا تو یحیی بن سعید نے کہا خالد کے متعلق دل میں کھٹک ہے"۔

دراصل حدیث میں طرق باطلہ کے بارے میں فرمایا کہ ان پر مت چلو اور ائمہ اربعہ کے سبل برحق ہیں۔

اعتراض

حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث: "لایقلدن أحدکم دینه رجلاً إن امن امن وإن کفر کفر"(۱).

سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں تصریح آگئی کہ دین کے سلسلے میں کوئی شخص کسی دوسرے کی تقلید نہ کرے کہ وہ ایمان لائے تو یہ بھی ایمان قبول کرے، اگر وہ کفر اختیار کرے تو یہ بھی کافر بن جائے۔

جواب

حدیث میں تقلید فی الایمانیات کا ذکر ہے" إن امن امن وإن کفر کفر" اور عقائد میں تقلید محض کے ہم بھی منکر اور مخالف ہیں۔ ہم تو مسائل غیر منصوصہ اور منصوصہ متعارض فیہا میں تقلید کے قائل ہیں کہ ان میں امام کے قول پر عمل کیا جائے گا، اس لئے حنفیہ پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ علاوہ ازیں روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"وإن کنتم لابد متقدین فاقتدوا بالمیت؛ فإن الحی لایؤمن علیه الفتنة".

نیز اس روایت سے تقلید مذموم کی نفی ہو رہی ہے، تقلید محمود کی نفی پر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اسی روایت کے الفاظ دوسری جگہ یوں ہیں: "لایقلدن أحد أحداً وإن اهتدی". یہاں پر "إن" وصلیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ "إن" وصلیہ قلت پر دلالت کرتا ہے۔ تو معنی یہ ہوگا ایک ایسا شخص جو راہِ راست پر نہیں اور اس کی

(۱) (مجمع الزوائد، باب فی القیاس والتقلید: ۱/۱۸۰، دار الفکر).

خطائیں غالب ہیں، اگر چہ کبھی وہ صحیح کام بھی کرے تب بھی اس کی اتباع و پیروی نہ کرو۔"وإن اهتدى" کیونکہ ایسے شخص کے صحیح افعال واقوال کی مقدار کم ہے۔

ہم آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ امام صاحب کے مسائل صحیحہ زیادہ ہیں یا غلط مسائل؟ غیر بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحب کے مسائل صحیحہ کی تعداد زیادہ ہے۔

امام سرخسی فرماتے ہیں:

"یاهذا! أتقع فی رجل سلم له جمیع الأمة ثلاثة أرباع العلم وهولا یسلم لهم الربع". اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ مروجہ علوم کے تین تہائی حصے پر امام صاحب کو دسترس حاصل ہے جب کہ ایک تہائی میں بھی امام صاحب ان سے مقابلہ کرتے ہیں(۱)۔

اعتراض

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے خود اصول بیان کیا: ﴿فإن تنازعتم في شيء فرُدُّوه إلى الله والرسول﴾ بوقت اختلاف قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرو اور جو مسئلہ قرآن وحدیث کے مطابق ہو اس پر عمل کرو، آئمہ مجتہدین کا آپس میں اختلاف ہے، لہٰذا اس اصول کے پیش نظر ہم آئمہ کے اقوال کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھیں گے، جس کا قول قرآن وسنت کے مطابق ہو، اسی کو لیں گے۔

جواب

آیت کا سیاق وسباق خود اس پر دال ہے کہ یہ حکم مجتہدین کے لئے ہے کیونکہ اولاً عوام کو حکم دیا کہ اولی الامر کی اطاعت کریں تو کیا جو حضرات خود مقلد ہیں اور اولی الامر کے متبع، وہ مجتہدین کے اختلاف میں فیصلہ کریں گے؟ یاللعجب.

حالانکہ اجتہاد وافتاء کا اہل کون ہے؟ امام احمد فرماتے ہیں:

"ینبغی للرجل إذا حمل نفسه علی الفتیا أن یکون عالماً بوجوه القرآن عالماً بالأسانید

(۱) (المبسوط للسرخسی: ۱/۷۱، مقدمة المؤلف، غفاریه).

الصحيحة، عالماً بالسنن. وقال في رواية أبي الحارث: لاتجوز الفتيا إلا لرجلٍ عالمٍ بالكتاب والسنة. وقال في رواية حنبل: ينبغي لمن افتىٰ أن يكون عالماً بقول من تقدم. وقال في رواية محمد بن عبيد الله بن المنادي، وقد سمع رجلاً يسأله: إذا حفظ الرجل مائة ألف حديثٍ يكون فقيهاً؟ قال: لا، قال: فمائتي ألف؟ قال: لا، قال: فثلاث مائة ألف؟ قال: لا، قال: فأربعمائة ألف، قال بيده هكذا، وحركها. وقال عبدالله بن أحمد: سألت أبي عن الرجل يكون عنده الكتب المصنفة فيها قول رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والصحابة والتابعين، وليس للرجل بصيرةٌ بالحديث الضعيف المتروك ولا الإسناد والقوى من الضعيف، فيجوز أن يعمل بماشاء ويتخير منها، فيفتي به ويعمل به؟ قال: لايعمل حتى يسأل مايؤخذبه منها، فيكون يعمل على أمرٍ صحيح يسأل من ذلك أهل العلم(١) .

''جب کسی شخص کوعلوم قرآن، اسانید صحیحہ واحادیث میں مہارت حاصل ہوتبھی فتویٰ دینااس کے لئے مناسب ہے۔ابوالحارث کی روایت میں ہے: جسے قرآن وحدیث کا اچھی طرح علم نہ ہواسے فتوی دینا جائز نہیں۔حنبل کی روایت میں ہے: مفتی کو چاہیے کہ متقدین کے اقوال سے بھی واقف ہو۔ایک شخص نے امام احمد سے پوچھا: اگرکوئی شخص ایک لاکھ احادیث یادکرے تو وہ فقیہ ہوگا؟ امام احمد نے جوب دیا: نہیں، پھر کہا دولاکھ احادیث یاد کرے تو فقیہ ہوگا؟ فرمایا: نہیں، پھر پوچھا تین لاکھ احادیث یادکرنے والا فقیہ ہوگا؟ فرمایا: نہیں، سائل نے کہا چار لاکھ احادیث یاد کرے تب فقیہ ہوگا؟ امام احمد نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرکے انہیں ہلایااور فرمایا: اتنی احادیث یاد ہوں تب فقیہ ہوگا۔

عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے پوچھا اگر کسی کے پاس حدیث وآثار صحابہ وتابعین کی کتابیں ہوں لیکن اسے احادیث پرکھنے کا ملکہ، قوی وضعیف سند کی تمیز نہ ہوتو آیا ایسے شخص کے جائز ہے کہ حدیث وآثار میں سے کسی کوبھی اختیار کرے، فتویٰ دے اورعمل کرے، امام احمد نے فرمایا: اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں، البتہ اگر وہ اہل علم سے پوچھ کرصحیح مسئلے پرعمل کرے تو درست ہے''۔

(١) (إعلام الموقعين، فصل في كلام الأئمة في أدوات الفتيا: ١/٦٥-٦٦، دار الجيل).

قال الشافعي فيما رواه عنه الخطيب في كتاب "الفقيه والمتفقه" له: لايحل لأحد أن يفتي في دين الله إلا رجلاً عارفاً بكتاب الله بناسخه ومنسوخه ومحكمه ومتشابهه وتأويله وتنزيله ومكيه ومدنيه، وما أريد به، ويكون بعد ذلك بصيراً بحديث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وبالناسخ والمنسوخ، ويعرف من الحديث مثل ماعرف من القرآن، ويكون بصيراً باللغة بصيراً بالشعر، ومايحتاج إليه للسنة والقرآن، ويستعمل هذا مع الإنصاف، ويكون بعد هذا مشرفاً على اختلاف أهل الأمصار، وتكون له قريحة بعد هذا، فإذا كان هذا فله أن يتكلم ويفتي في الحلال والحرام، وإذا لم يكن هكذا فليس له أن يفتي"(۱).

''الفقیہ والمتفقہ'' میں خطیب امام شافعی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: امور دینیہ میں فتویٰ دینے کا اہل وہ شخص ہے جو علوم قرآنیہ: ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ آیات اور ان کی تاویل، نزول آیات، مکی ومدنی سور اور مقصدِ قرآن سے اچھی طرح واقف ہو، اس کے ساتھ ساتھ اسے حدیث میں بھی مہارت تامہ حاصل ہو، احادیث منسوخہ، محکمہ وغیرہ سے واقف ہو اور لغت میں ماہر ہو، اشعار میں بھی اسے ملکہ حاصل ہوتا کہ بوقتِ ضرورت قرآن وحدیث سمجھنے میں ممد ومعاون ہوں۔ ان تمام امور کے علاوہ حق وانصاف سے دامن گیر رہے اور معاصرین کے اختلاف پر بھی نظر رکھے اور بیدار مغز بھی ہو۔ جب یہ صفات کسی میں پائی جائیں تو اسے کچھ بات کہنے اور حلال وحرام سے متعلق فتویٰ دینے کی اجازت ہے، اگر یہ صفات نہیں تو وہ اہل فتویٰ نہیں کہلائے گا''۔

مجتہد ومفتی کے لئے اتنی سخت شرائط اور مجتہدین میں اختلاف ہوتو ﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول﴾ کے پیشِ نظر غیر مقلدین فیصلہ کریں اور اپنی رائے سے بعض مجتہدین کو مخطی اور بعض کو مصیب قرار دیں، یہ کہاں کا انصاف ہے۔ جب ایک عام عالم کو فتویٰ دینے کی اجازت نہیں تو چہ جائیکہ ایک عام شخص جسے قرآن وحدیث سے واقفیت نہیں، نہ ہی صَرف ونحو ودیگر علوم پر عبور ہے، وہ مجتہدین کا حَکَم کیسے بن سکتا ہے؟

(۱) (إعلام الموقعين، شروط الإفتاء عند العلماء: ۱/٤٨، دار الجيل).

اعتراض

امام صاحب مہدی ومہتدی ہیں یا ضال ومضل ؟اگر آپ اپنی فطرت سے مجبور ہوکر ضال ومضل کہیں تو بالکل غلط ہے، کسی نے بھی امام صاحب کو ضال ومضل نہیں کہا بلکہ مہدی ومہتدی مجتہد تسلیم کیا ہے۔ضال ومضل کہنے والا کوئی بدنصیب ہی ہوسکتا ہے۔انسانوں میں مضل خود بھی ضال ہوتا ہے۔جب آپ امام صاحب کو مہدی ومہتدی تسلیم کرتے ہیں تو انہی کے بتائے ہوئے راستے پر ہم گامزن ہیں، لہٰذا ہم کیسے ضال ٹھہرے!!

کبھی کہتے ہیں کہ چلو مان لیا امام صاحب مہدی ومہتدی ہیں لیکن معصوم تو نہیں، ان سے غلطی ہوسکتی ہے اور مجتہد مخطی بھی ہوتا ہے اور مصیب بھی۔آپ تو ہر مسئلے میں امام صاحب کی بات کو لیتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ حنفی لاکھوں مسائل کا مجموعہ ہے۔ان میں مسائل غیر منصوصہ، منصوصہ متعارض فیہا بھی ہیں۔یہ سارے کے سارے مسائل غلط ہیں یا سب کے سب صحیح یا پھر کچھ کچھ صحیح اور کچھ غلط۔ان میں تین احتمالات ہوگئے۔

پہلا احتمال

پہلا احتمال کہ سارے کے سارے غلط ہیں، کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے کہ سب کے سب مسائل غلط ہیں یا بلا دلیل صرف آپ کے کہنے کی وجہ سے غلط قرار پائے۔اگر آپ کا ان کو غلط قرار دینا دلیل ہے اس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں تو یہ سفسطہ ہے اور سوفسطائیہ کی بات معتبر نہیں۔

اگر آپ انہیں بالدلیل غلط قرار دیتے ہیں تو دلیل کیا ہے؟ صرف کسی ایک دلیل سے تمام مسائل کی تغلیط کریں گے یا ہر ایک مسئلے کی تغلیط مستقل دلیل سے کریں گے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک دلیل سے سب مسائل کی تغلیط کی جائے، لہٰذا پہلے آپ مسئلے کو متعین کریں اور پھر اس کی تغلیط پر دلیل پیش کریں تا کہ علمی دیانت کا حق ادا ہو جائے۔

دوسرا احتمال

دوسرا احتمال یہ ہے کہ سب مسائل درست ہیں، اگر آپ اسے تسلیم کرتے ہیں تو پھر مناظرے اور بحث و مباحثے کی کیا ضرورت؟

تیسرا احتمال

کچھ مسائل صحیح اور کچھ غلط ہیں تو اس میں آپ متعین کریں کہ زیادہ صحیح ہیں یا غلط، کچھ کو متعین کریں۔ اگر زیادہ صحیح ہیں تو اعلان کریں کہ میں ان مسائل میں حنفی بن گیا، یہ لکھ کر دو پھر ماقبی میں بحث کریں گے، اگر زیادہ غلط ہیں تو اس اکثریت کی تعیین کی جائے تا کہ ان میں بحث کریں اور اگر معلوم ہی نہیں اکثریت صحیح ہے یا غلط تو یہ نری جہالت ہے کہ اس حالت میں آپ بحث ومباحثہ کررہے ہیں اور امام صاحب پر الزام تراشی کے مرتکب ہورہے ہیں۔

فقہ حنفی کی تعریف

اصل بات یہ ہے کہ فقہ حنفی ان تمام مسائل کا نام نہیں جو فقہ حنفی کی کتابوں میں مذکور ہیں بلکہ فقہ حنفی الأقوال التی یفتی بها ویعمل بها کا نام ہے۔ جن اقوال پر فتویٰ ہے اور ان پر آئمہ نے عمل کیا ہے۔ فقہ حنفی میں موجود ہر قول کا جواب دینا ہمارے ذمے لازم نہیں، اگر آپ صرف مفتی بہ ومعمول بہ قول کے بارے میں ثابت کریں کہ قرآن وسنت کے خلاف ہے تو پھر ہم بحث کریں گے۔ ضعیف اور مرجوح اقوال کو تو ہم خود قابل اعتناء نہیں سمجھتے، ''شرح عقود رسم المفتی'' میں لکھا ہے:

"الواجب على من أراد أن يعمل لنفسه أو يفتي غيره أن يتبع القول الذي رجحه علماء مذهبه، فلا يجوز له العمل أو الإفتاء بالمرجوح .... وقد نقلوا الإجماع على ذلك"(١).

''جو خود کسی قول پر عمل کرنا چاہے یا کسی کو فتویٰ دینے کا ارادہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ اس قول کی پیروی کرے جسے مذہب کے علماء نے راجح قرار دیا ہو، مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتویٰ دینا قطعاً جائز نہیں ....اور اس پر علماء نے اجماع نقل کیا ہے''۔

یہ بعینہ اسی طرح ہے جیسے کتب احادیث میں صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ احادیث موجود ہیں لیکن محدثین صرف انہی احادیث کو قابل اعتناء سمجھتے ہیں جو از قبیل صحیح یا حسن ہوں۔ موضوع ضعیف وغیرہ کو معتبر قرار نہیں دیتے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ کتب احادیث میں جو حدیث بھی آجائے محدثین پر لازم ہے کہ اس کا جواب

(١) (شرح العقود: ٣٥، ١٦٢، الرشيد وقف).

دیں، درست نہیں۔

اگر آپ پھر بھی حنفی سے ہر ہر قول کا جواب طلب کرتے ہیں تو پھر اولاً ہمیں اپنے اصول قرآن وحدیث کے متعلق آیاتِ منسوخہ اور احادیث غیر معمول بہا کا جواب دیں، اس لئے کہ ہر حدیث صحیح پر عمل کرنا ضروری نہیں۔

اگر آپ ہم سے ''ھدایہ'' وغیرہ کے ہر ہر مسئلے پر عمل کرانا چاہتے ہیں تو اولاً ''بخاری'' کی ہر ہر حدیث پر عمل کریں۔ کتاب التفسیر میں ﴿فأتوا حرثكم أنى شئتم﴾ [البقرة: ٢٢٣]، میں کی تفسیر میں حضرت ابن عمر کی حدیث، بول قائماً، فجر کی سنتیں پڑھ کر سوجانا اور پھر اٹھ کر فرض پڑھنا۔ اور ایسی دیگر احادیث موجود ہیں ان پر عمل کریں۔ نیز بخاری میں کتنی احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ موجود ہیں لیکن ان پر آپ کا عمل نہیں اس لئے کہ آپ اقوال صحابہ کو حجت ہی نہیں سمجھتے۔

الزام

کہتے ہیں کہ متاخرین کے بہت سے اقوال ایسے ہیں وہ فقہ حنفی کے مخالف ہیں، آپ کے متاخرین خود فقہ حنفی سے بے زار ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اگر متاخرین قواعد وضوابط اور متقدمین کے فتاویٰ کی روشنی میں کوئی نیا حکم جاری کریں تو اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ وہ فقہ حنفی سے بیزار ہیں۔ اس طرح تو غیر مقلدین کئی احادیثوں پر عمل نہیں کرتے ،لہٰذا کہا جائے گا کہ غیر مقلدین حدیث سے بیزار ہیں۔

جواب

دراصل بات یہ ہے کہ یہ اس قسم کے مسائل ہیں جن میں متاخرین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس زمانے میں اس قول پر عمل ہوگا اور پہلے والے قول پر عمل نہیں کیا جائے گا یعنی تبدل زمان سے حکم بھی تبدیل ہوگا۔ اور اس سے فقہ حنفی سے خروج لازم نہیں آتا، ایسے مسائل کی تعیین اہل فن اور ماہرین کریں گے۔

امام معصوم نہیں

کہتے ہیں کہ امام معصوم نہیں ان سے غلطی ہوسکتی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ امام معصوم نہیں اور ان سے غلطی ہوسکتی ہے لیکن آپ یہ کہتے ہیں کہ ''یہ مسئلہ غلط

ہے''اور''ہوسکتا ہے''میں بہت فرق ہے۔صرف اس احتمال کی وجہ سے آپ امام صاحب کے۔بارے استنباطات کوغلط قرار دیتے ہیں۔احتمال تو ہر مسئلے میں نکلتا ہے احتمال کی بنیاد پر فیصلہ کرنا اور حقائق کو ٹھکرانا کسی صورت میں درست نہیں۔احتمال تو (نعوذ باللہ) قرآن میں بھی ہوسکتا ہے تو کیا اس احتمال کی وجہ سے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) آپ قرآن کوغلط قرار دیں گے۔اگر آپ یہ کہیں کہ قرآن کے بارے میں گارنٹی ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ [الحجر: ۹]، موجود ہے تو اس پر بھی اعتراض ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ بھی خود بنائی ہوئی ہو۔اسی لئے ہم کہتے ہیں محض احتمال کی وجہ سے کسی مسئلہ کوغلط نہیں قرار دیا جاسکتا۔

عقل کسی چیز کو نہیں چھوڑتی۔ہر چیز کے اندر احتمال نکال لیتی ہے،عقل تو یہ بھی کہتی ہے کہ آدمی اپنے باپ کا نہ ہو،ہوسکتا ہے کہ کسی اور سے پیدا ہوا ہو۔قرآن کریم کی آیت ﴿يعرفونه كما يعرفون أبناءهم﴾ [البقرة:۱٤٦]، کے متعلق حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا: ٹھیک ہے قرآن کی آیت یہ کہتی ہے لیکن ہم کو اپنے بیٹوں کے بارے میں اتنا یقین نہیں جتنا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق یقین ہے۔اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے بیٹے ہمارے نہ ہوں اس بارے میں تو شک کیا جاسکتا ہے لیکن نبی کی نبوت کے بارے میں ہمیں کوئی شک نہیں۔اس پر حضرت عمر خوشی سے رونے لگے اور حضرت عبداللہ بن سلام کا ماتھا چوم لیا(۱)۔

الزام

آئمہ کرام نے خود اپنی تقلید سے منع کیا کہ ہماری تقلید نہ کرنا اور آپ زبردستی انہیں مقلَّد اور اپنے کو مقلِّد بناتے ہیں۔

جواب

آئمہ نے صرف ان مسائل میں تقلید سے منع کیا جو مسائل منصوصہ غیر متعارض فیہا ہیں۔باقی مسائل اجتہادیہ میں تقلید سے منع نہیں کیا کیونکہ مسائل اجتہادیہ میں تقلید سے منع کرنا کاروبار زندگی کو بند کرنے کے مترادف ہے جیسا کہ خطیب کے حوالے سے گزرا''لو منعنا التقليد في هذه المسائل الخ''۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں''آئمہ نے ان لوگوں کو تقلید سے منع کیا جن میں اجتہاد کی

(۱) (روح المعاني: ۱۳/۲، دار إحياء التراث العربي)

صلاحیت ہو''۔

''[المنع] إنما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد''(۱).

علامہ شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''هو [المنع] محمول على من له قدرة على استنباط الأحكام من الكتاب والسنة ''(۲).

''جو لوگ قرآن وسنت سے مسائل استنباط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں انہیں تقلید سے منع کیا گیا ہے''۔

غیر مقلدین سے گفتگو کے طریقے

کسی بھی غیر مقلد سے واسطہ پڑے تو حدیث کی دو تین کتابیں رکھ لیں اور کہیں کہ نماز کے متعلق گفتگو کرتے ہیں، سب سے پہلے تکبیر تحریمہ ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ فرض، واجب، سنت؟ پھر رفع الیدین عند التکبیر، ثنا، قیام، قرأۃ وغیرہ ان میں سے ہر ایک کی شرعی حیثیت (فرض، واجب، سنت وغیرہ) متعین کروائیں۔

اگر وہ تسلیم کریں کہ ہمارے ہاں بھی ان اصطلاحات (فرض، واجب، سنت) کا اعتبار ہے تو ان سے کہیں کہ ہر ایک رکن کا حکم شرعی متعین کریں اور اگر وہ ان اصطلاحات کو خود ساختہ منگھڑت اور بدعت قرار دیں تو رفع الیدین قبل الرکوع وبعد الرکوع کو واجب یا مستحب کہنا بھی بدعت ہوگا جو کہ آپ کے علماء نے بھی کیا۔ رفع الیدین کو علامہ وحید الزمان نے مستحب کہا۔

اسی طرح ثناء، تعوذ، تسمیہ ہر ایک کو سراً پڑھا جائے گا یا جہراً ہر ایک کا حکم صراحتاً دکھائیں۔

دوسرا طریقہ

کہتے ہیں کہ ھدایہ، عالمگیری، شامی یہ سب مجموعہ اغلاط ہیں اور قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔ آپ ان سے کہیں کہ میں ھدایہ کا پہلا مسئلہ پڑھتا ہوں آپ بتائیں کہ ٹھیک ہے یا غلط؟ اگر ٹھیک ہے تو سب کو مجموعہ اغلاط قرار دینا درست نہیں۔ اگر غلط اور حدیث کے خلاف ہے تو آپ اس مسئلے کے متعلق ایسی حدیث دکھائیں جو صحیح

(۱) (حجة الله البالغة: ۱/٤٤٤، قديمي).

(۲) (الميزان الكبرى: ۱/٦٢، مصطفى البابي الحلبي، مصر).

بھی ہو اور معارض بھی نہ ہو، علت وشذوذ سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ صراحتاً آپ کے دعویٰ پر دلالت بھی کرتی ہو۔

تیسرا طریقہ

مصنفات اور سنن میں متعارض روایتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ پہلے باب میں ایک قسم کی احادیث اور دوسرے میں اس کی معارض احادیث کو ذکر کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ دفع تعارض پر حدیث صحیح غیر متعارض، غیر معلل وشاذ اور دعویٰ پر صراحتاً دلالت کرنے والی حدیث پیش کریں۔ اسی طرح ناسخ ومنسوخ کی تعیین بھی کریں اور اس میں اقوال صحابہ واقوال محدثین کے بجائے صرف اور صرف حدیث کو پیش کرنا ہے۔ اس لئے کہ آپ کا دعویٰ ہے۔ اہل حدیث کے دو اصول: أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول.

چوتھا طریقہ

ان سے کہیں کہ آپ نے جو دلیل پیش کی ہے اس دلیل سے آپ کا دعویٰ کس طرح ثابت ہوتا ہے۔ بطور عبارۃ النص یا اشارۃ النص، دلالۃ النص یا اقتضاء النص؟

بالفاظ دیگر آپ کی پیش کردہ دلیل دعویٰ پر مطابقۃً دلالت کرتی ہے یا تضمناً یا التزاماً؟ باقی ان اصطلاحات (عبارۃ النص، اشارۃ النص وغیرہ) سے آپ انکار نہیں کرسکتے کیونکہ علامہ شوکانی نے ''ارشاد الفحول'' میں انہیں تسلیم کیا ہے۔

پانچواں طریقہ

محدثین سند حدیث بیان کرتے وقت کہتے ہیں: حدثنا فلان مثلاً حدثنا الحمیدی، حمیدی محدث ہیں اور حدیث بیان کرتے ہیں۔ حمیدی کی بات (حدثنا فلان) آپ کے نزدیک حجت ہے یا نہیں؟ اگر حجت نہیں تو آپ میدان میں بلا دلیل کیوں آئے؟ اگر حجت ہے تو حمیدی أطیعوا اللہ میں داخل ہے یا أطیعوا الرسول میں؟ یہ تو آپ کہتے ہیں کہ حمیدی سچا ہے تو حمیدی کو سچا (صادق) کہنے والا کون ہے؟ علامہ زیلعی، حافظ ابن حجر، ابن عدی وغیرہ۔ تو اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ خود سچے ہیں اور ان کی بات معتبر ہے۔ اور ان کی بات بھی تو

قرآن وحدیث نہیں جو آپ اسے تسلیم کرتے ہیں۔

حمیدی، علامہ ذہبی، حافظ ابن عدی وغیرہ کے سچا ہونے پر کون سی دلیل قطعی ہے، ان کے بارے میں آپ مانتے ہیں کہ اکثریت نے ان کو سچا قرار دیا ہے، لہٰذا یہ سچے ہیں، تو امام صاحب کے عادل وثقہ ومجتہد مصیب ہونے کو پوری کائنات تسلیم کرتی ہے، ادھر آپ کیوں کتراتے ہیں۔

چھٹا طریقہ

حدیث کی اقسام متواتر مشہور عزیز، غریب، تواتر الاسناد، تواتر لفظی ومعنوی، اسباب طعن وجرح، ضعیف کی اقسام، منکر معروف وغیرہ یہ اصطلاحات آپ کے نزدیک معتبر ہیں یا نہیں؟ اور یقیناً معتبر ہیں۔ تو کیا بات ہے کہ محدثین کی اصطلاحات تو معتبر اور فقہاء کی اصطلاحات غیر معتبر؟ محدثین کا معلل کہنا معتبر اور فقہاء کا معلل کہنا غیر معتبر، حالانکہ ''الفقهاء هم أعلم بمعاني الحديث''، آخر یہ ظلم کیوں؟

